



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

CALL NO. ^{Raw} 211-42692-
16867-
Accession No. ---445556

Rev

Call No. 297-42092
16807

Acc No. 115556

--	--	--	--

سیّد شاہیر اسلام

نمبر



ابو جبرئیل

یعنی

حضرت شیخ ابو بکر ولف بن جبرئیل رحمہ اللہ کے سوانح عمری
آپ کا تصوف و آپ کے اخلاق عادات جذبات تعلیمات و اقرانِ تلامذہ

مؤلف

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شہر مؤلف تاریخ سندھ و تاریخ
ارض مقدسہ و جغیہ بغدادی و مصنف ناو اہل ملک العزیز و رجا

آیام عرب فتح آندلس و فردوس برین وغیرہ وغیرہ

۱۹۷۷ء میں

دکن لکھنؤ پریس لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہوئی

(کل حقوق محفوظ ہیں)

طوطی مکیشین

یوں تروت آصفیہ حیدر آباد وکن سے ہرفن اور ہر
 سے بہشت کو برواتی ہو مگر عالیجناب عین اساطینہ سرہارم
 کنس پر شاہ بہادر شاہ پیشکار و مدار المہام سرکار عالی و ام قبائلہ
 کو جو خاص بے بسی فن تصوف سے اور جیسی عقیدت بزرگان صوفیہ
 سے ہوا کے لحاظ سے میں اپنا فرض تصور کر کے اس کتاب
 کو پلمال اب جناب محتشم الیہ کے نام نامی سے معنون
 کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار۔ محمد عبدالمعین شہر

التاس

سلسلہ مشاہیر اسلام کا یہ دوسرا نمبر قدردانوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ کے حالات درج ہیں۔ اور اسید ہے کہ یہ نمبر پہلے سے زیادہ کما حقہ ثابت ہوگا۔

ناظرین کو باہمی النظر میں صرف چھپوانے کی دشواریاں نظر آتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ہر لائف کے مرتب کرنے میں کس قدر ورق گردانی اور باغ سوزی کرنا پڑتی ہے۔ پھر اس پر جب کتابوں کے تلاش کرنے اور ہم پونجی لانے کی زحمت بھی اضافہ ہو جاتی ہے تو مصنف کے سر ناقابل برداشت ہو چھڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ہمیں ناشکری نہ کرنی چاہیے۔ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔ نواب سید علی حسن خان صاحب بہادر۔ اور مولانا محمد عبدالباری صاحب نکی محل نے کتابوں کے محنت فرمانے میں نہایت فیاضی سے کام لیا ہے۔ لیکن پور لافاؤ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب کتاب اپنے کتب خانے میں ہو۔ اور جب ہمیشہ فرصت کے فراغت و اطمینان سے اُس پر نظر ڈالی جاسکے۔ اور فیض اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے ترتیب و تدوین کی محنت اور چھپوانے کے مصارف کے علاوہ خرید کتب کا بھی ایک بڑا بار مصنف کے سر ہے۔ اور وہ اسی طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ قدردان اس سلسلے کی اشاعت میں جان و دل اور سچے شوق سے کوشش فرمائیں۔

سب سے زیادہ قابل شکر یہ وہ فیاض رؤسا و بزرگان قوم ہیں جنہوں نے

التوفي سنة ١٢١٢ هـ الموافق ١٨٩٦ م

كتاب الهند وديوان التبت وادبها وشرعها ودينها ونبأها
بن خلدون مغربي من سنة ٨٠٠ هـ ومطبوع في المطبعه...

عوارف المصنفات شهاب الدین محمد بن محمد بن علی الترمذی مشہور
موجود ہیں اصل کتاب زمین مل سکی اور انھوں نے علی کا کاتب فارسی طبع سے نوٹ لیا۔
منقول ہے قاری اظہار کیا۔

تذکرۃ الاولیاء معتمدہ شیخ نسیم الدین عطاری پہلے کتاب میرزا یحییٰ رضا احمد
آرکٹرو و سید محبوبہ نامی پریس کھنویا گیا۔ اور وہ پہلی کتاب تھی۔ ان کی پریس میں
مطبوعہ شاہد و کتاب جو انو اس سے قائم ہوا تھا یا کہ اس کے بعد اس کے صفحات
تیار کیے گئے ہیں اور بعض جگہ اس فاسی کے جن میں اقبال نے اپنی نظمیں لکھی ہیں
تذکرۃ اولیاء معتمدہ شیخ نسیم الدین عطاری پہلے کتاب میرزا یحییٰ رضا احمد
آرکٹرو و سید محبوبہ نامی پریس کھنویا گیا۔ اور وہ پہلی کتاب تھی۔ ان کی پریس میں
مطبوعہ شاہد و کتاب جو انو اس سے قائم ہوا تھا یا کہ اس کے بعد اس کے صفحات
تیار کیے گئے ہیں اور بعض جگہ اس فاسی کے جن میں اقبال نے اپنی نظمیں لکھی ہیں

نور: الانس من حضرات القدس مولانا عبدالحق دہلوی مصنف مشہور
مطبوعہ نزلت، پیریں، شتہ ۶۔

استان شیخ صالح الدین سعدی شیرازی به ضمیمه کاتبه میرزا حسن
ی همدانی آفتابیه از عماد الدین تاج محمدی: ای ویرانه یونان
لے - م - ای مطبوعه لندن (انگلستان)

فہرست مضامین

صفحہ	شمارہ	موضوع
۱	۱	تہنید۔
۲	۲	ولادت۔ خانہ ان۔ اور تعلیم۔
۱۰	۳	سین رشت۔ ملازمت۔ اور دنیوی الفج عروج۔
۱۱	۴	درس گاہ معرفت۔
۷۱	۵	پہ اور مہ۔
۲۹	۶	مزاج خضاب اخلاق و مساوات۔
۳۹	۷	محویت۔ اور ذوق و شوق۔
۵۳	۸	الہامات۔ محفاسے باطن۔ اور دنیائی ادنیٰ اور چیز سے عبرت و تاثیر۔
۶۶	۹	ذوق سخن۔ اور آپ کی شاعری۔
۷۰	۱۰	آپ کے سنہ۔
۸۵	۱۱	سایہ۔ اور بہت سال وصال۔
۸۷	۱۲	تعلیم۔ اور تعلیم۔
۱۱۳	۱۳	آپ کی وفات۔
۱۱۸	۱۴	فیض یا بابت۔
۱۳۲	۱۵	وفات۔
۱۴۱	۱۶	معرفین کمال۔
۱۵۰	۱۷	حکم۔
۱۵۲	۱۸	خانہ۔
۱۵۶	۱۹	خانہ الطبع۔



این طائفہ اند اہل تحسین باقی ہمہ خویشین پرستند
فانی ز خود و بد دست باقی این طغیانگر نیستند و بہتند

تہمید

ہجرت نبوی صلم کی تیسری صدی کے ربع اخیر میں ایک دن کا واقعہ جو کہ دہشت
ہنداد و دہشت نیا ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ امیر المومنین المعتض باللہ کے کسی شن کی تیاریاں ہو رہی
ہیں۔ عیش و عشرت کی چیلین ہیں۔ اور شان و شوکت کے کرشمے نظر آ رہے ہیں۔ تمام ایسا
ملک شاہی شن میں شریک ہونے اور نذرین پیش کرنے کے لیے طلب کیے گئے ہیں جو
حاضر دربار خلافت ہو کے آداب بجالائے ہیں۔ اور گران بہا خلعتوں سے سرفراز ہو سکے
جیسا سریر شہزادی کے سامنے مودب کھڑے ہوئے ہیں۔
اتنے میں اتفاقاً کسی پرنسپل والی ملک کو چھینک آگئی۔ اور ناک کچھ ٹوٹ

مکمل پڑی۔ رومال اس وقت موجود نہ تھا۔ گھبرا کے اُسی خلعت کے دامن سے جو ابھی ابھی مرحمت ہوا تھا ناپاک کر لی۔ شامت احوال سے یہ بدتمیزی کی حرکت خلیفہ نے دیکھ لی فوراً عتاب ہوا جب فرمانِ خلافت وہ گران بہا خلعت پھینک دیا گیا۔ گورنری کی خدمت سے بھی معزول ہوا۔ اور بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔

خلیفہ کے اس عتاب اور برہمی کو دیکھ کے کل حاضریں دربار کانپ گئے۔ اور خائف تھے کہ کہیں ہم سے بھی کوئی بدتمیزی کی حرکت نہ صادر ہو جائے۔ سارے دنیا پر شام طاری تھا۔ اور سب سہمے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے۔ مگر انہیں مین ایک صاحبِ دل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو نہادندگی ولایت پر سر فرما رہا تھا۔ اس عتاب شہنشاہی نے اُس کے دل میں بجائے دُنیوی انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی۔ یعنی نورِ ہدایت نے اس خیال کی طرف مائل کیا کہ ایک دُنیوی بادشاہ کے خلعت کی یہ وقعتی کرنے کی تو یہ سزا ہے۔ لیکن وہ شخص جو سارے عالم کے خالق (اللہ جل شانہ) کے خلعت (یعنی خلعتِ زندگی) کی بے وقعتی کرے اور اُسے ناپاک کر دے اُسکی کیا سزا ہوگی؟ یہ خیال آتا تھا کہ دل دنیاوی دولت و شمت اور اس چند روزہ جاہ و جلال کی طرف سے کھٹا ہو گیا۔ فوراً استیفا لکھ کے بارگاہِ خلافت میں پیش کر دیا۔ نہادندگی حکومت کو آگ لگائی۔ ملازمت سے آزادی حاصل کی۔ اور کسی ایسے پاک باطن شیخِ زمانہ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا جس کے ہاتھ پر توبہ کرے۔ اور جس کی تعلیم و تلقین سے یقین و عرفان کی بارگاہِ ازلی میں رسوخ حاصل کرے۔

یہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے نعتہ مستاذ کی صدا آج تک میانِ معرفت میں گونج رہی ہے جن کا ذوق و شوق قیامت تک سرستانِ بادِ وحدت کے دلوں میں عشق کی گر محو شمع پیدا کرتا رہے گا جن کے نقشِ قدم کو منزلِ حقیقت کے در نور دیکھتے اور پہنچتے ہیں۔ اور جن کے مبارک حالات سے ہم ان پسند اور بات کو برکت و نسیان سے تہ بہن۔

ولادت خانہ ان اور تعلیم

آپ کا یہ نام ہے تائب ابو بکر دولت بن جعفر شبلی ہے جعفر مورخین جعفر بن زید نام سے مشہور ہیں یہی نام آپ کے سنگِ تربت پر کندہ تھا۔ بعض اہلِ ولایت روایت ہے کہ آپ کے پر بزرگوار کا نام بجائے جعفر کے جعفر تھا۔ جو ہمارے خیال میں صحیح لگے۔ رسمِ خانہ شہدہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ آپ کا لقب شبلی "شبلیہ" نام ایک دن سے نکلا ہو جو آپ کے خاندان کا اہلی حرم تھا۔ یہ قریہ شہر اسروشنہ کے مضافات میں تھا۔ اور اسروشنہ ماوراء النہر میں سمقند سے آگے درجہ کے ایک بڑا شہر تھا یہ ترکستانی علاقہ جو قرغانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُن دنوں والی خراسان کے حلقہ اقتدارات میں تھا۔ اور اسی وجہ سے عام مورخین آپ کو خراسانی الاصل بتاتے ہیں۔ ورنہ صحیح پوچھیے تو آپ ترکی الاصل تھے۔ مگر طرہ یہ کہ سب کے خلاف ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا خاندان مصر سے آیا تھا۔

غیر یہ خوش اقبال خاندان چاہے جہاں کا ہو۔ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی اسلام

بغداد میں آ کے آباد ہو گیا تھا۔ اور قریب قریب تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ آپ نے بغداد میں نشو و نما پایا۔ اور دین آپ کی ولادت بھی ہوئی۔ لیکن طبقات سنی میں ہے کہ آپ سامرہ میں پیدا ہوئے۔

گویہ روایت سب کے خلاف اور بہ اصطلاح محدثین غریب ہے لیکن قیاس بھی چاہتا ہے کہ آپ سامرہ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار خلیفہ زمانہ کے دربار میں حاجب انتخاب یعنی عنسی کی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور سنہ وفات اور عمر کا حساب لگانے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت سنہ ۶۳۷ء میں ہوئی جس سال کہ متوکل باللہ عباسی جو پندرہ سال سے مسند نشین خلافت تھا اپنے بیٹے المنصور کی سازش کے نتیجے میں خاص اپنے ترکی غلاموں کے ہاتھ سے کمال ہرجی کے ساتھ سامرہ میں طوار کیا۔ ان دنوں چونکہ دربار خلافت عباسی کا مرکز و مستقر بجائے بغداد کے سامرہ تھا لہذا وہ ہے کہ آپ کے والد ماجد بھی اپنے فرائض منصبی بجالانے کے لیے سامرہ میں قیام رکھتے ہوں متوکل باللہ کو نبی فاطمہ سے سخت عداوت تھی۔ یہاں تک کہ سنہ ۶۴۰ء میں اُس نے حکم جاری کر دیا کہ گویا سے علی بن حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت یا کلاں اور اُس کے گرو و پیش کے مقامات کھود کے برابر کر دیے جائیں۔ اور اُن کی زمین پر ہل چلا دیا جائے۔ اُس کے دربار میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تضحیک و توہین کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی صحبت میں ایک دن ایک محنت کو پیٹ پر تکیہ باندھ کے حضرت علی کی نقل اور ناپاک مسخر کرتے دیکھ کے اُس کے بیٹے المنصور سے بھی نہ رہا گیا۔ ادب سند کہ امیر المؤمنین۔ علی آپ کے ابن عم اور آپ کے گھرانے کے بزرگ اور اچھے

سرمایہ نازت اگر آپ ان کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں تو خیر مگر اس کچھ غصہ نہ
کوتہ کہہ دیجئے۔ اس آزادی کا اُس صحبت میں تو کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مگر اسی کا اثر تھا کہ ایک
طرف تو المتوکل سے دل بین بیٹھنے کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف
بینا المنتصر اُس کے قتل کے لیے سازشیں کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

حضرت شیخ ابو مکرم بٹانی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک ایسے عالم بہ تہذیب اور ہجرت
بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کو ہم اس امر کا ایک قدرتی اشارہ خیال کرتے ہیں
کہ آپ کی ذات بابرکات سے دین اسلام کو بڑے دینی اور روحانی فائدے پہنچنے والے
تھے۔ اور اسی کے ساتھ ہی تہذیب ہم اس امر کا غلط کرتے ہیں کہ مشفقہ دین ولی زمانہ
حضرت ذوالنون مصری اور صوفی بے ہمتا شیخ ابو تراب نخشبی کا انتقال ہو چکا تھا تو
معلوم ہوتا ہے کہ خداوند جل وعلا نے آپ کی ولادت باسعادت سے دین اسلام
میں کتنی بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

آپ کے خاندان کا پتہ لگانے کے یہ ہم نے کتب تاریخ کے بہت ورق اٹھے اور ابواب
موشائخ کی سیرۃ لکھنے والوں نے بے شک بتایا ہے کہ آپ کے والد ماجد خلافت کے معزز
اور سربراہ اور وہ لوگوں میں تھے جتنی کہ حاجب الحجاب دربار کی اعلیٰ ترین خدمت اُن کے
سپردہ تھی مگر تاریخ کی کتابوں سے بغیر درایت و قیاس کو کام لینے کے ہمیں - کچھ ثبوت نہیں
مل سکتا تاہم آپ کا نام ذلف ایسا انوکھا اور غیر مروج نام ہے کہ اس سے کسی نہ کسی
پتہ ضرور لگ جاتا ہے جو بہت کچھ قرین قیاس ہے۔

ہمیں اُس حدیث میں اس نام کا صرف ایک ہی خاندان نظر آتا ہے جس کا

ابتدائی طور مامون رشید کے عہد میں ہوا تھا عیسیٰ بن مہان کے ساتھ جو لوگ طاہر کے مقابلے کو گئے تھے ان میں ابو دلف نام ایک نامور شخص تھا جس کا قیام ہمدان کے قریب کترخ نام ایک قریہ میں تھا۔ عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد ابو دلف مذکور پھر کترخ میں جا کے خاموش بیٹھ رہا۔ طاہر نے خط بھیج کے اسے اپنے ساتھ ملانا چاہا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اب ارادہ کر لیا ہوں کہ کسی کی بھی نافرمانی نہ کروں۔ یہ امر مامون کو ناگوار ہوا کہ سلطنت کی امانت سے انکار کرنا کیا تھے۔ چنانچہ اپنی دور رس سے ملنے میں اسے بلوایا۔ اسکی خطا معاف کی۔ اور وہ پھر کترخ میں جا کے خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ابو دلف کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے عبدالعزیز کو نو صلا کرنے کا شوق ہوا۔ لہذا جب سرکش غلامان ترک نے خلیفہ المستعین کے موجود ہوئے مقتدر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو عبدالعزیز بن ابو دلف نے اصلی خلیفہ المستعین کا ساتھ دیا۔ المستعین نے اس کے صدمے میں اسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور علاقہ جبل اور صفہان کی حکومت اس کے ہاتھ میں دی۔ مقتدر نے رجب ۳۵۷ میں نو پڑچوش باغیوں کی ۳۰ ہزار فوج پروسی بن بغا نام ترکی غلام کو مقرر کر کے عبدالعزیز کے مقابلے کو بھیجا۔ شہر ہمدان کے باہر لڑائی ہوئی۔ اور عبدالعزیز شکست کھا کے اپنے مستقر کترخ میں چلا گیا۔ ابن بغا کے مقدمہ بحیش کا سردار مفلح کترخ پہنچا اور عبدالعزیز کو اس کے گھر کے دروازے پر بھی شکست دی۔ اب عبدالعزیز نے بھاگ کے ہناوند کے قلعے میں پناہ لی۔ اس کے چند روز بعد ابن بغا سے اور اس سے ایک اور مقابلہ ہوا۔ اور اب بھی عبدالعزیز کی قسمت نے ناساعدت کی۔ مگر باوجود ان تباہیوں کے ہناوند وغیرہ اُسی کے قبضے میں رہے۔ عبدالعزیز کے مرنے پر

اُس کا بیٹا وقت جانشین ہوا۔ اُسے قاسم بن صباہ نے آگے شکرست دی جس کے باعث وقت کی زندگی ہی مین خاندان ابو وقت کے خیر نڈاؤن نے اُس کے بھائی احمد بن عبدالعزیز بن ابو وقت کو اپنا سرگرم وہ بن کے شہسوار مین بھائی کا جانشین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اس خاندان کا شمارہ ذرا پہلے کیا۔

ان دنوں عمرو بن لیث صفار نے خراسان وغیرہ مین ایسا زور پکڑ لیا تھا کہ خلافت کے مقبوضات پر بھی اپنا قبضہ قائم کر رہا تھا۔ اُس نے احمد بن عبدالعزیز بن ابو وقت کو اپنی طرف سے والی صفہان مقرر کیا۔ بغداد کے سربراہ خلافت پر اب معتقد تھا۔ اُس نے بھائے اس کے کہ احمد بن عبدالعزیز سے کوئی باز پرس کرتا اپنی طرف سے بھی سلسلہ مین اُسے حاکم صفہان بنا دیا۔ اور یوں احمد ایک ایسا عجیب و غریب گورنر بن گیا جو ایک ہی ملک پر دو مخالفت فرمان رواؤں کا نائب تھا۔ سلسلہ مین کعلنج ترکی اُس کے مقابلے کو آیا۔ اور شکست کھا کے واپس آیا۔ اور شاید اسی مہم کی ضرورت سے سلسلہ مین عمرو لیث نے اُسے واپس بھیجا تھا۔ سلسلہ مین احمد بن عبدالعزیز نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کے دو بھائی غمناور کبیر مشترک والی مقرر کیے گئے۔ جنھوں نے آخر مین خلافت بغداد کی حمایت کی۔ یعنی معتقد کی جانب داری مین عمرو بن لیث کے بھائی رافع بن لیث سے اڑے۔ مگر شکست کھائی۔ اس کے بعد سلسلہ مین معتقد باللہ نے عمر بن عبدالعزیز کو والی صفہان دہماد و کرخ مقرر کیا۔ پھر چند اور جھگڑے ہوئے۔ لیکن اب مدین عبدالعزیز بن ابو وقت کی وقعت اس قدر بڑھ ہی ہوئی تھی کہ سلسلہ مین جب وہ بغداد میں آیا

تو خلافت کی جانب سے بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ اور خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔

ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی حن کا نام ناجی دُلف تھا اسی خاندان کے کوئی رُکن کن تھے دُلف اور حیدر ترکی نام ہیں اور قرنیہ تھا ہے کہ ان دونوں ان نو مسلم خاندانوں میں دو نام رکھے جاتے ہوں۔ ایک اصلی خاندانی اور قومی۔ اور دوسرا عربی جسے اسلامی نام کہنا چاہیے۔ اسی تعداد کے لوگوں کو دھوکا دیا۔ اور اختلاف روایت پیدا ہوا۔ لہذا آپ کا نام غالباً دُلف بھی ہے۔ اور حیدر بھی۔ اور آپ کے والد کا نام حیدر بھی اور پوتس بھی۔ اصلی بانی خاندان کا نام نہیں معلوم صرف کنیت ابو دُلف بتائی گئی ہے جس سے ظاہر ہو کہ دُلف نام اُس کا کوئی بیٹا ضرور تھا اور کیا عجب کہ ابو دُلف ہی کا نام حیدر ہو۔ لہذا بظن غالب حضرت ابو بکر شبلی عبدالعزیز بن ابو دُلف کے بھائی تھے۔ اور اپنے عزیز وں کی طرف سے حسب فرمان خلافت یا نیابتاً ہناؤ کی گورنری کرتے تھے۔

علاوہ برین جب یہ امر کتب سیر میں موجود ہے کہ آپ ہناؤ کے گورنر تھے اور والد صاحب خلافت تھے تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ المستعین کے زمانے میں پہلے عرض یگی یعنی حاجب عظم کی خدمت پر وصیف نام ایک غلام مقرر تھا۔ اور اُسی کو جیل صفہان کی گورنری بھی دی گئی تھی۔ پھر جب عبدالعزیز بن ابو دُلف نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی تو وہ اُسی وصیف کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اور اس طرح یہ دونوں خدمتیں نبی دُلف میں آگئیں۔

حضرت ابو بکر شبلی کسی عالم و فقیہ یا صوفی و صاحب باطن شیخ کے گھر میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ایک ترکی سردار اور نامی اسپیشیست مین کے گھرانے کے نو نواسہ تھے۔ لہذا آپ کی بچپن کی تربیت علیحدہ کاماں اہل نین معلوم ہو سکتا کیونکہ کتب جلال میرزا خاں قادیانہ عادات کے دیکھانے کی جس قدر کوشش کی گئی ہے سنا، فضلا اور محدثین و آئینہ جی پر محد و دہ۔ امر اوٹو سا کا طبقہ سوا تار و ان و رفران و داؤن کے علما و مصنفین کی اس توجہ سے اکثر محروم رہا ہے۔ آپ کے قرابت دار و نین بھی کوئی ایسے بزرگ تھے جیسے کہ جناب جلیہ کے عزیز و نین حضرت سری مقطبی تھے۔ کہ ان بزرگ کی صحبت ہی میں کبھی کبھی آپ کی صورت نظر آجاتی۔

جو کچھ معلوم ہو سکا صرف اس قدر ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان فقہ مالکیہ کا پیرو تھا۔ اور اسی گروہ میں آپ بھی تھے لہذا ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ مالکیہ پڑھنا شروع کی اور اس میں کمال تجربہ حاصل کیا۔ حاشین لکھیں۔ اور محدثین کے گردہ میں بھی شامل ہوئے۔ مولانا امام مالک بر زبان تھی۔ جو حدیث کی افضل ترین کتاب تصور کی جاتی تھی۔ لیکن حق و طبیعت چونکہ روز باطن کے انکشاف کی اشتاق تھی لہذا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس پڑھنے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوا اور جس چیز کی تلاش ہے وہ نہیں ملتی۔ لہذا فرماتے ہیں میں نے تیس برس تک فقہ پڑھی یہاں تک کہ ایک آفتاب میرے سینے سے طلوع ہوا۔ پھر میں اتنا دون کے پاس گیا اور ان سے علم الہی کا ہنگام ہوا۔ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا کیونکہ وہ خود نہ جانتے تھے۔ یہی کہا کہ ہر چیز کا ایک نشان ہے

رسالہ فقیر ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴

مگر غیب کا کچھ نشان نہیں۔ یہ جوابات سُن کے مجھے تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا اگر آپ سب صاحب اندھیرے میں ہیں۔ اور میں اپنے آپ کو صبح روشن میں پاتا ہوں۔ مگر افسوس کہ اپنی اس حالت پر شکر گزار نہ ہوا۔ اور اپنی ولایت چورون کے سپرد کر دی۔ میری زبان سے یہ کلمات سُن کے لوگ بگڑے اور عداوت پر آمادہ ہو گئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں خود بخود توحید و خدا شناسی کا جوش پیدا ہوا۔ اور تعلیم فقہ و حدیث کے زمانے ہی سے انکشاف باطن کی جستجو شروع ہو گئی تھی۔ گو اُس کے ظہور کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

سُنِ رشد۔ ملازمت۔ ورنہ یوی الفج و عروج

لیکن جس خاندان کے رُکن تھے اُس کا ہر تنفس ملازمت سپہگری اور حکومت کے کاروبار میں مشغول تھا۔ چنانچہ اس علم و فضل اور اس جستجوئے حق پر خاندانی تعلقات غالب آ گئے۔ جو کسی درس گاہ یا خانقاہ میں بیٹھنے کے عوض انھیں یون امارت میں بٹھانا چاہتے تھے۔ آپ تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی شاہی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ اور اپنے خاندانی کارناموں کے صلے میں ہندو کے والی کے گورنر مقرر ہو گئے۔

ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے کہ آپ نے زمانہ حکومت میں کیا کارروائیاں کیں۔ خلافت کی کیسی خدمتیں بجالائیں۔ اور رعایا کے

سے نفحات الٰہیہ ۳۷۱ عہد مذکورہ الاولیاء۔ ۶۸۹۔ ابن خلکان رسالہ تفسیر فی غیو میں دنیا و دہر مگر تاریخی شہادتوں سے مزین و زیادہ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسی قدر نہیں۔ ہم اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ہمارے مذہب کی حکومت کتنے دنوں تک ہاتھ میں رہنے پائی تھی کہ کسی غم و رت و تقریب سے اور اختلاف میں ہلانے لگے۔ اور وہ عبرت خیز واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تفسیر میں آچکا ہے اور جس نے صرف ایک لفظ پر آپ کو ایک ولی ملک اور رئیس قوم سے ایک صاحبِ امن فقیہ اور بابِ نفس صوفی صافی بنا دیا۔

علوم باطنی کی معرفت تہذیب و تمدن کے حالات بیان کرنے سے مورخین اس قدر خاموش ہیں کہ ہمارے ہاں زندگی اور رت۔ کچھ سال نہیں معلوم ہو سکتا۔ کثر بزرگانِ دین کے حالات میں مورخین کے قلم نے اسی قسم کا بے غلط ظاہر کیا ہو گا تاہم نہیں جتنا کہ حضرت ابراہیمؑ کے معاملے میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی اور گہمی میں ہے۔

ان امور کا یہ چلتا ہے کہ عہدِ فیہ اسلام کے سچے مذاق کے مطابق آپ متاہل تھے۔ بی بی تھیں جن کے منہ پر کرنے کے لیے بعض اوقات آپ عجیب و غریب کام کر گزر کرتے تھے۔ خدا نے ادا ہو چکی تھی جن میں سے بعض کو اُس نے والدین کو ثوابِ آخرت عطا کرنے کے لیے دینا سے اٹھایا اور بعض زندہ رہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کا ایک بیٹا جس کا نام ابو الحسن تھا اس نے ماں باپ کے دل کو داغ دے کے سفرِ آخرت کیا۔ اور آغوشِ مادرستِ بحال کے آغوشِ بچہ کے سپرد کیا گیا۔ دل شکستہ ماں کو بے ہمتا صدمہ ہوا۔ روئیں پٹھیں اور سر کے بال فوج ڈالے۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت شبلی حاتم میں لگے۔ اور ڈاڑھی میں زور دے لگا لیا چند لمحوں کے بعد جب حاتم سے باہر نکلے تو ڈاڑھی غائب تھی۔ ڈاڑھی نہ دانا ان دنوں

اس قدر خلاف فیشن تھا کہ کسی کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کے لوگوں کا خیال جو از حد
جواز کی طرف متوجہ ہونے کے عوض اُس شخص کے ہوش و حواس بجا نہ ہونے یا کسی
خاص مجبوری کی طرف رجوع ہوتا۔ اب جو بگ تعزیت کو آتے تو آپ کی یہ وضع دیکھ کے
متحیر ہو جاتے۔ اور پوچھتے "نبلی خیریت تو ہے؟" جس کا جواب آپ یہ دیتے کہ میں نے
اس بارے میں بی بی کی پیروی کی ہے۔ انھوں نے بیٹے کے غم میں اپنے بالوں پر
ہاتھ صاف کیا اور میں نے اپنی ڈاڑھی پر لیکن اس با مذاق جواب سے کسی کا طہینا
نہ ہوتا تھا اور بار بار ڈاڑھی اڑا دینے کا اصلی سبب پوچھا جاتا۔ تب آپ نے فرمایا "میں نے
میں نے یہ خیال کیا کہ لوگ یاد خدا چھوڑ کے میرے پاس تعزیت کے لیے آئیں گے۔
لہذا میرے سبب سے جو لوگوں کے دل میں خدا کی طرف سے بے توجہی ہو گئی اس کے
خدیہ میں میں نے اپنی ڈاڑھی نذر کر دی۔"

اس واقعہ کو فقہاء اور اہل ظاہر غالباً اچھی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ مگر ہم انہیں
مشورہ دیتے ہیں کہ ذرا درایت سے بھی کام لیں۔ ڈاڑھی منڈانا ان دنوں نہ امر اس کے
فیشن میں تھا۔ اور نہ کسی طبقہ کے۔ لہذا اُس زمانے میں اس فعل سے کوئی دنیوی رُوح
یا طرحداری نہیں ظاہر ہو سکتی تھی۔ بلکہ بے ڈاڑھی کا انسان ہر سوسائٹی میں ذلیل و خوار
تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر نبلی جذبات و حدت میں غرق ہونے سے اس قدر از خود متہ
ہو گئے تھے کہ کسی خاص دُھن میں محو ہو کے بعض اوقات ایسے افعال کر گزرتے
تھے جن پر لوگوں کو حیرت ہو جاتی۔ اور اگر آپ میں ہوتے تو وہ خود بھی حیران ہو جاتے۔
اسی طرح آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے یونس بھی تھے جن سے آپ کے

حالات کے متعلق صرف ایک یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد ساری رات چھت کے ایک کونے پر کھڑے رہے۔ اور کہتے تھے کہ ”اے آکھ اگر تو نے ایک چھپکائی تو تجھ سے کام نہ لیا جائے۔“ اسی طرح رات بھر بیکٹ بیکٹائی صبح ہوئی تو مجھ سے کہا ”بیٹا۔ میں نے آج رات سوا ایک سو کے کسی کو خدا کا ذکر کرتے نہیں سنا۔“

ان ستند شہار تون سے یہ تو بے شک ثناءست ہو گیا کہ آپ کی بی بی جی تھیں اور ندائے اولاد بھی عطا کی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عقد آپ نے جہاں ہرنت پیئے۔ کہا کیا تھا یا پہلے۔ تاہم قیاس سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں مدرسہ حقیقت میں آنے سے پیشتر ہی کی ہوں گی۔ کیونکہ اول تو آپ کا مذاق تصوف اس قدر گہرا اور بخود بنا دینے والا تھا کہ اگر تجربہ کو آپ ضروری نہیں تو اسے لیے جائز اور اپنے مذاق تو یہ بے مناسب ضرور خیال کرتے ہوں گے۔ علاوہ بریں یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ نے تیس سال تک فقہ و حدیث کی تعلیم پائی۔ اور اگر تعلیم کا آغاز آٹھ برس کی عمر میں ہوا تو پانچ برس آپ ہناور کے والی رہے ہوں تو توبہ لہ کے علوم باطن کی طرف توبہ کرنے کے وقت آپ کی عمر شریف ۴۲ یا ۴۳ برس ہو گئی۔ اور اگر عمر تک ۴۸ دنوں ایک دنیاوار امیر زادے کا بچہ رہنا اور شادی نہ کرنا خلاف قیاس ہو بس اس کے سوا آپ کی دنیا داری کی ابتدائی زندگی کے متعلق بہت کچھ بات جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ لہذا اب خانقاہ عرفان میں چلے گئے آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

درنگِ معرفت

۱۔ بارخلافت میں استفادہ اہل کرسے بھی آپ کو رموز باطن حاصل کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور وہ جو شکر بکریاں بڑے زور و شور سے بکرا جو تعلیم تہ وحدیث کے وقت دل کو کسی طرح ملنے میں ہٹے دیتے تھے۔ اور کسی امت سے جو یا س حق قلب بے یقرا کو تسلیم نہ کرتا تھی۔ اب کسی ایسے پاک باطن و عزاں وحدت کی تلاش ہوئی سکی۔ ہر امت میں حاضر ہو کے ماحول میں ملے کرین۔

ان دین دربار خلفاء کا مرکز شہر سمرقند تھی۔ یہاں سے اب ساموئل کہتے ہیں۔ یہاں خلافت کے محل کے شہر کی ٹرکون پر آئے اور کسی دینی کامل کا پتہ پوچھا لوگوں سے خیر سناج کا نام پیا جو دینی شہر سمرقند میں پیدا ہوئے تھے اور فی الحال خاص دارالسلام بغداد میں اقامت گزین تھے۔ غالباً ہم وطنی کے خیال نے یہ زمانہ سے ملنے کا نونی ل میں اور بڑھا دیا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ سمرقند کے بعد وہی۔ دہلی۔ اور سیدھے ابو الحسن خیر سناج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خیر سناج اگرچہ بڑے صاحب معرفت بزرگان دین میں سے تھے۔ لیکن شبلی کا ذوق و شوق دیکھا۔ ان کی جوانانہ مستی و گرجوشتی دیکھی۔ اور پھر ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا تو انھیں اپنی پاس رکھنا مناسب نہ محسوس ہوئی اور خیال کیا کہ ان کے لیے بنیہ بغدادی سے بترکوبی شیخ طریقت نہیں ہو سکتا۔ لہذا پہلے تو اپنی صحبت میں ان سے تمام گناہوں اور معصیتوں سے توبہ کرائی۔ اور پھر انھیں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جو ان

دونوں علوم باطن کے مرکز اور ذوق ان طریق معرفت کے معراج و ماویٰ بنے ہوئے
تھے۔ اور بہن کی صحبت میں اہل ذوق کا ایک بڑا مجمع ہا کرتا تھا۔

شبلی جب خیر شہاد کے پیام کے ساتھ حضرت عینہ کی خدمت میں حاضر ہوا
تو سامانہ ہوئے تھے وہی دھن کیا۔ لوگوں نے آپ کے پاس گویا وہ ایک دیوتا پرست
و عابد کا وہ یا قیمت سے بہت بلند نے ان کی محورت و یکہ کے فریاد۔ چون تو تم سے نہ ملو
کیونکہ وہ بہت کران ہے اور لہذا رہے پاس اتنا سرایا نہیں۔ اگر خدمت دے دون
تو تمہیں اس کی قدر نہ ہوگی۔ بان اگر جو ان دونوں کی طرح اس دریا میں سر کے بھل
خوٹہ لگاؤ گے۔ اور صبر و استقامت سے جیو کرو گے تو وہ گہرہ راہ تہا آجائے گا۔

آپ کی سیرۃ لکھنے والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عینہ بن ابی
اور خیر شہاد کے علاوہ اس عہد کے دیگر ائمہ باطن اور اولیائے زمانہ کی صحبتوں سے
بھی آپ نے فیض اٹھایا۔ مگر ہمیں سوائے کہ وہ بالاد و بزرگوں کے اور کسی کا نام
نہیں بتایا گیا ہے۔ اور ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کبھی کسی اور شیخ باطن
کی خدمت میں بھی شرفیاب ہونے کے لیے تشریف لے گئے ہوں تو آپ رینہ کی جہالت
سے۔۔۔ کا نڈا ہوں۔۔۔ اگر سون کی صدائوں اور پٹریوں کی آوازوں تک سے
سبق لینے عبرت حاصل کرتے۔۔۔ رہتا ہے۔۔۔ جو خود ہو جاتے جیسا کہ اسکے چل کے ہم بیان
کر رہے گے۔ مگر اداوت اور سائری کی حیثیت سے آپ کو جو کچھ فیض پونچھا صرف
شیخ الطائفہ ابو القاسم حمید رحمۃ اللہ علیہ سے خیر شہاد سے کہ جو پھر حامل ہوا وہ
بہت بڑی چیز ہے اور اسی کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یوں معرفت کا دروازہ

کھول کے اندر آپ کو انھین نے بلایا مگر وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ آپ نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور انھین کی تلقین سے مشاغل دنیا کو ترک کیا۔

حضرت جنید نے ابتدا ہی سے بڑی سخت محنت لینا شروع کی خصوصاً سب سے زیادہ یہ کہ کھانا تم نے ہمارا نہ کی رعایا پر حکومت کی ہے۔ بہتوں کے منظرے تمہارے سرباقی ہوں گے۔ سب تک وہ دھیندہ امن سے نہ چھوٹیں مگر بار معرفت میں باریاب نہیں ہو سکتے۔ لہذا جاؤ۔ اور وہاں کی رعایا سے سند معافی حاصل کر دو۔ سچ یہ ہے کہ یہ سب ریاضتوں سے بڑی ریاضت تھی۔ مگر آپ کو جستجو حقیقت کی ایسی دھن لگی ہوئی تھی کہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نماندہ میں جا کے انھین لوگوں سے جو ابھی کل تک آپ کے تابع فرمان تھے معافی چاہی۔ اور سب سے معجزہ الحاح کہا میں تمہارا والی تھا۔ مجھ سے تم پر کوئی زیادتی ہوئی ہو۔ یا تم پر کبھی میرے ہاتھ سے جو ہوا ہو۔ تو اے یہ معاف کر دو۔ اس بارہ خاص میں خلوص نیت کی برکت سے آپ میں ایسی سرگرمی پیدا ہو گئی تھی کہ سارے شہر میں ایک ایک کے دروازے پر جا کے مرد عورت بوڑھے بچے سے عنفوی درخواست کرتے۔ اور کوئی نہیں رہا جس اپنا کھانا معاف کر کے سند معافی نہ حاصل کر لی ہو۔ سو ایک شخص کے جو موجود نہ تھا۔ اور اُس کا ایک درہم ان کے ذمہ باقی تھا۔ اسے بہت تلاش کیا۔ بہت سارے پیسے اُس کے کفارے کے طریقے سے خیرات کیا مگر دل کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اور مرتے دم تک اُس کا ڈر لگا رہا چنانچہ جعفر بن نصیر بکران دینوری جنہیں آپ کی خدمت نگذاری کرنے کا شرف حاصل ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ شبلی نے وفات کے

وقت مجھ سے کہا میرے اوپر ایک درہم کا مقرر باقی ہے۔ اس کے عوض ہزار روپے
 ہر چہ اس کے کرد کا جو ان مقرر پر سے اس کا بار نہیں ہوتا۔

یہ شخص سید نے ریاضت شروع کرنے سے پہلے نفسی کے مرقعہ میں
 شروع کیا یہ چنانچہ کہا ایک سال تک کبریت جیو جب یہ مان تم ہوا تو ارشاد ہوا کہ
 ایک سال روزہ گری کرو اور روزہ بھیک آگے لیکن یہ شرط ہے کہ جو چیزیں طہین
 ایک مین سے کسی مین میں مشغول نہ ہو جانا۔ یہ برس آپ کو اس حالت میں گذرا کہ ساری
 بھاد میں ایک ایک کے دروازے پر جا کے سوال کرتے۔ اور کوئی کچھ نہ دیتا۔
 یہ نہ بھیک لیا کہ ان کو بڑی مشکل سے یقین آیا ہوگا کہ یہ محتاج ہیں۔ اور اخلاص
 کی جھوٹ سے سوال کرتے ہیں فقیری میں اس ناکامی کی خبر حضرت جنید کو پہنچی
 تو فرمایا آپ تمہیں اپنی قدر و قیمت معلوم ہوگئی ہوگی۔

بارہ سال ان مختلف حالتوں کو گزر گئے تو شیخ جنید نے آپ کے غلبہ کا
 امکان لیا اور فرمایا "ابھی تم میں تھوڑی جاہ طلبی باقی ہے۔ ایک سال اور گدالی
 کرو۔ اس سال آپ کے لوگوں کی فیاضی سے بھیک ملتی تھی۔ مگر جو کچھ ہاتھ آتا روز بلا
 مانہ لاس کے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ اسے اپنے حلقے کے درویشوں
 میں تقسیم کر دیتے۔ اور انہیں اکثر بھوکا پیاسا کرتے۔ جب یہ سب مراحل جھیل چکے
 تو شیخ جنید نے فرمایا اب میں تمہیں اپنی صحبت میں لکھوں گا۔ لیکن اتنی شرط باقی
 ہے کہ ایک سال تک درویشوں کی خدمت کرو۔ یہ بھی کیا۔ اور ان ابتدائی ریاضتوں
 سے فارغ ہو کے حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو جنید نے پوچھا بتاؤ

اب تمہارے نزدیک تمہارے نفس کا کیا رتبہ ہے؟ "عرض کیا "اپنے آپ کو ساری غفلت سے ادنیٰ درجے پر پاتا ہوں "ارشاد ہوا کہ اب تمہارا ایمان درست ہوا " دیگر اہل سیر نے اگرچہ ان ابتدائی امتحانوں اور بے نفسی کی تعلیموں کی تفصیل نہیں بیان کی ہے۔ مگر اس امر میں کل اہل سیر کو اتفاق ہے کہ ابتدائے عمر میں آپ کے مجاہدات حد سے گزرے ہوئے تھے۔ کمال باطنی کی یہ ایجاد ختم کرنے کے بعد عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے تو معمول تھا کہ ہر روز ایک سر د آب (تہ خانے) میں اتر جاتے۔ اور اپنے ساتھ جیلانے کی کچھ لکڑیاں بھی لیتے جاتے۔ وہاں خلوت میں بیٹھنے کے مصروف عبادت ہوتے۔ کسی وقت دل ذرا بھی غفلت کرتا تو ان میں سے ایک لکڑی اٹھا کے آپ ہی اپنے جسم پر مارنا شروع کرتے۔ اور یہاں تک مارتے کہ جب تک وہ لکڑی ٹوٹ نہ جاتی ہاتھ نہ رکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سب لکڑیاں دن ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتیں اور ایسی حالت میں جسم کو اڑیت پھونانے کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں زور زور سے دیوار پر مارتے۔ غرض ایسی ایسی سخت نصیبتیں بھیل کے دل کو قابو میں لاتے۔ اور اسے عادی بناتے کہ حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہو تو پھر کسی اور طرف کا رخ نہ کرے۔

فما ز حال میں زار و قطار رویا کرتے۔ اور آہیں بھرتے تھے حضرت جنیدؒ نے دیکھ کے فرمایا "حق تعالیٰ کی درگاہ سے شبلی کو ایک ودیعت دی گئی تھی۔ اسے پابا کہ اس امانت میں خیانت کرے لہذا اسی خرم کی سزا کیلئے آہ و زاری کی تکلیف میں مبتلا

۲۵ تذکرۃ الاولیاء - ۶۸۰ - عماد سال قشیریہ ۳۳ - ح آقا جان - حالات ۳۳۳ - ص ۱۸۱ - غلکان ملہ

۱۸ - عماد سال قشیریہ ۳۳ - ح آقا جان - حالات ۳۳۳ - ص ۱۸۱ - غلکان ملہ

کیا گیا ہے۔ راتوں کو بالالتزام جاگتے۔ اور صبح تک سونے کا نام نہ لیتے بعض اوقات
 نفس نہ مانتا طبیعت سُستی کرتی۔ اور آنکھوں میں نیند بھرتی۔ اس کے لیے طبعی طرح
 کی تدبیریں کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں: فلان فلان راتوں کو میں نے نمک کا سرمہ
 لگایا۔ تاکہ جاگنے کی عادت پڑے۔ اور نیند نہ آئے۔ اور جب اس سے بھی کام
 نہ چلا تو میں نے سلائی گرم کر کے آنکھوں میں پھیر دی۔ یہ دیکھ کے لوگوں نے کہا: معلوم
 ہوتا ہے آپ کو آنکھوں کی ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا: ”مضانقہ نہیں جس کے دیدار
 کا اشتیاق ہے وہی ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو پھر یہ کس کام کی ہوتی ہے؟“

استاد ابوعلی دقاق کا بیان ہے کہ آنکھوں نے ایسے ایسے نمکوں کا سرمہ لگایا۔
 جن کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اور بیداری کی عادت پڑتی۔ اور اگر شرع شریعت کی
 تعظیم کا خیال نہ ہوتا تو اور زیادہ ریاضت کرتے۔ حد سے زیادہ جاگتے اور نیند سے
 دست بردار ہو جانے پر لوگوں نے آپ کو الزام دیا تو فرمایا: ”میں نے سنا کہ خدا
 مجھ سے کہہ رہا ہے جو سویا غافل ہو اور جو غافل ہو اس کی آنکھ پر پردہ پڑے گی پھر
 بھلا میں کیونکر سو سکتا ہوں؟ اسی لیے نمک کا سرمہ لگاتا ہوں تاکہ آنکھ نہ لگے؟“

عشق الہی کے مکتب میں داخل ہوتے ہی یہ رنگ ہو گیا کہ اللہ جل شانہ کے
 نام پر شیدا تھے جس کسی کے منہ سے یہ نام پاک نکل جاتا اس کا منہ شکر سے
 بھر دیتے۔ اور ہر کون کو شکر بانٹا کرتے کہ اللہ کا نام لو۔ یہ ذوق بڑھتے بڑھتے اس
 درجے کو پہنچا کہ اب جس کی زبان پر یہ نام پاک آتا اس کا منہ دینارون (شہر فونیون)

عفة ذکر الادب ۶۸۲ - عہد طبقات الکبریٰ ۱۲۲ - تذکرۃ الادب ۶۹۱ - اللعہ سالہ

خیرہ ۳۲ - طبقات الکبریٰ ۱۲۳ -

سے بھرتے۔ اس کے بعد عشق انہی کے جوش میں کچا ایسا انقلاب ہوا۔ اور ایسا ایسا
رقابت پیدا ہوا کہ تلوار لیے پھرتے۔ اور کہتے کہ جو کوئی اللہ کا نام زبان پر لائے گا
اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ بعض لوگوں نے جرأت کر کے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا
کہ ”لوگ عادت پڑ جانے کے سبب سے غفلت و بے توجہی کے ساتھ اللہ کا نام پائے
زبان پر لاتے ہیں۔ ان میں خلوص و ارادہ نہیں۔ یہ بھی آپ کے معمولات میں تھا
کہ جہاں کہیں اللہ جل شانہ کا نام لکھایا منقوش نظر آجاتا اُسے بوسہ دینے۔ یہ عادت
تھی۔ اور اس رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ یکایک سینے سے نکل کے کان میں
فرشتہ ہدایت کی آواز آئی ”کب تک رسم پرستی کرے گا؟ طالب ہے تو بجائے اُم
کے سسمی کی راہ طلب میں قدم رکھ۔ اب ہجوم شوق بڑھا۔ جوش عشق نے جنون و
جذب کی شان اختیار کی۔ اور ایسے بیتاب و بیقرار ہوئے کہ ایک بار وجہ میں
پھانڈ پڑا۔ مگر خدا کی قدرت لہرون نے کنارے پر پھینک دیا۔ آگ میں لوٹے
لیکن اُس سے بھی بچ گئے۔ دیگر ہلک تدبیریں عمل میں لائے۔ اور اُن سے
بھی بچے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن جوش و خروش میں کمی ہوئے کو نہ آتی تھی۔ پکا۔ سنے
پھرتے تھے۔ ”وَلَا تَقْنَطُوا الْمَاءَ وَالْمُنَى وَالسَّبْعَ وَالْجَبَلَ!“ (شامت ہو اُسکی
جسے نہ پانی نہ ہوتا ہے نہ آگ جلاتی ہے۔ نہ درندے پھاڑتے ہیں اور نہ پہاڑ ہلاک
کرتے ہیں) مگر اس بیتا بہ سوال کا جواب اُسی فرشتہ ہدایت نے سینے کے اندر سے
یہ دیا کہ ”مَنْ كَانَ مَقْتُولَ الْحَقِّ لَا يَقْتُلُهُ عَدُوُّهُ“ (جو خدا کا مقتول ہو اُسے کوئی دوسرا قتل نہیں
کر سکتا) آخر بیتابی بیان تک بڑھی کہ لوگوں نے زنجیروں میں باندھ کے بٹھایا اور
مشہور ہوا کہ شہل دیوانے ہو گئے۔ چنانچہ لوگ شفا خانے میں اُٹھائے گئے۔ مگر یہ سب سے

یہ فرماتے تھے کہ تمہارے نزدیک میں دیوانہ ہوں۔ اور میرے نزدیک تم دیوانہ ہو۔ میری یہ دیوانگی انشاء اللہ روز بروز زیادہ ہی ہوگی۔“

از سر بالین من خیزے ناوان طیب و دروند عشق را دار و بجز دیدار نیست

پیر اور مرید

حضرت بہید بغدادی کی بارگاہ فیض سے طالب حقیقت مرید شیخ ابو بکر شبلی کو یونانی میں جنس یونین جس عنوان سے انھوں نے آپ سے شاہراہ صریقت کی دشوار ترین سفر کیا۔ اور پیر اور مرید میں باہم جو واقعات پیش آئے وہ بھی اگرچہ آج کی گزشتہ بحث یعنی دوسرا گاہ معرفت ہی کا ایک جزو ہیں مگر ہم ان میں ایک خاص اہمیت دیکھ کے انھیں علیحدہ بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ بے شک مرشد کی تعلیموں کا اہم حصہ اوپر بیان ہو چکا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گزشتہ بحث کی تعلیموں میں صرف پڑھانے اور دینے کی شان تھی اور ان باتوں میں جن کا ذکر اب آئے گا۔ اتالیقی اور روحانی تربیت کی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت بہید بغدادی میں باوجود اعلیٰ درجے کے مدارج عرفان ملے کر لینے کے نہایت تھی۔ ضبط تھا۔ اور ان کی فقری میں بھی عالمانہ وقار نمایان تھا۔ یہ خلاف اس کے شبلی میں جوش و خروش تھا۔ بے صبری و میقراری تھی۔ اور ایسی محویت بے اختیاری تھی کہ اپنی بے روک طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے۔ اور اس اختلاف مذاق و طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی تو حضرت جنید آپ سے باہر ہونے والے

مرید کو اپنی قوت کمال سے روک دیتے اور کبھی اُس کے اثر سے یہاں تک متاثر ہوتے کہ خود بھی بیتاب ہو جاتے۔

حضرت جنید کی صحبت میں ابو بکر شبلی کا پہلا رنگ تو یہ تھا کہ ایک بار اُن کی زبان سے کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ نکل گیا۔ جنید نے فوراً اٹھ کا اور ارشاد فرمایا: ”یہ کلمہ کسی بات سے تنگ آجانے کے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور تنگ آجانا رضی برضا ہونے سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔“ عرض کیا بجا ارشاد ہو! غالباً ظاہر بینوں کو اس پر اعتراض ہو گا۔ لیکن خود واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت جنید نے لا حول پڑھنے سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی پر نہ راضی ہونے سے روکا۔ اور یہ تعلیم اسلام کی اعلیٰ تعلیموں کی جان ہے۔

ایک مرتبہ ایک خراسانی جوان حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کا عصا اور اُس کی چھانگل لے کے اپنے پاس گھر میں رکھ لی۔ اور ٹھہرایا۔ اتفاقاً اُسی رات کو آپ کے مریدوں کی ایک صحبت ہونے والی تھی۔ لہذا آپ نے بعض اصحاب کو بلا کے فرمایا۔ اس نوجوان کو لے جا کے اپنے ساتھ رکھو۔ رات کو اپنی صحبت میں شریک کرو اور صبح کو میرے پاس لے آنا۔ اس محفل میں کھانے کے بعد مریدان جنید میں کچھ مزاح ہونے لگا۔ اور اُس خراسانی جوان سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی گئی۔ اُس نے انکار کیا۔ بلکہ ان سب لوگوں کو الزام دینے لگا کہ آپ کا یہ کام نہیں۔ شبلی تمام مریدان جنید میں پُر جوش تھے اُس پر نگاہ غیظ و غضب ڈالی۔ اور کہا: ”چپکے بیٹھے رہو۔ ورنہ اُنھ کے سر اُڑا دوں گا۔“ یہ سُن کے وہ خاموش ہو رہا۔

اور پھر سب کی نظر بچا کے غائب ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ واقعہ حضرت جنید کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے گھر میں جا کے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا عصا اور بچا گل بھی غائب ہیں۔ سمجھ گئے کہ وہ کوئی صاحب تصرف شخص تھا۔ باہر آ کے اپنے مرید دن پر خفا ہوئے۔ اور فرمایا "میں کئی بار قلوگون سے کہ چکا ہوں کہ کوئی اجنبی شخص آیا کرے تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم مجھے خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ پناہ عطا اور بچا گل اُنھارے گیا تھا۔"

شاید یہ واقعہ حضرت شبلی کے پہلے پہل آنے کا ہو۔ کیونکہ آپ کی زندگی میں ہمیں اس قسم کا اور کوئی واقعہ کسی مستند و معتبر کتاب میں نہیں نظر آیا۔ اور نہ اور کبھی ہم نے جنید کو شبلی پر غصہ کرتے یا اظہار ناراضی فرماتے دیکھا۔ حضرت ابو بکر شبلی میں بخشش تھا۔ اور عالم باطن میں جنید کے سامنے آپ کی وہی شان نظر آتی ہے جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھی۔ اور ہمیں آپ سے اسی ایسی رکعت کا سرزد ہونا جو مرشد کو ناگوار ہو قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ خیر اگر ابتداء زمانہ ارادت میں یہ مان بھی لیا جائے تو بعد کے زمانوں میں ہم حضرت جنید کو شبلی کا نہایت ہی قد دانہ شیخ یا تے ہیں جنہات بنید کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ ابو بکر شبلی پر اکثر ایک دہوشتی کا عالم طاری رہتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دیا کے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الہی سے بیتاب و بے قرار عجب ستانہ و صبح سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سامنے آ کے

ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اور اتھارہ بجے کی بقیاتی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارا اور بوسہ
خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عَوْدُ وَفِي الْوَصَالِ وَالْوَصْلُ عَذَابٌ وَسِرْمُوفِي يَأْخُذُهُ نَارُ الْبُخْبُورِ

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیرین ہے۔۔۔ اور رورڈالی سے مجھے زخمی
کیا اور رورڈالی بڑی دشوار چیز ہے۔

ذَعَمُوا جِنَّانَ مَعْوَاثٍ دَسِيبُ قَسْرَطُ حَبِي لَكُم مَمَاتُ الْبِذْنِ

مجھے زخمی کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ سمجھے کہ میرا گناہ ہی جہاں کہے اُن سے
زیادہ نسبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لَا وَحَقَّ الْخُضُوعِ عِنْدَ الْمَلَائِقِ مَا جَزَأَ مَنْ يَحْسِبُ أَنْ لَا يَحْسِبُ

اُس فروتنی کی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے نسبت کرنے والے کو اس پر
یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار شیخ کے حضرت جنید نے پڑھیں بقیاتی کے ساتھ پڑھتے ہوئے، اور پھر یہ اشعار

وَسَمِعْتُ أَنْ أَمْرًا فَكُنْتُ أَيْتُكَا غَلَبَتْ وَهْشَةُ اللَّهِ وَنَوْمُ أَمَلِكِ ابْنِ كَا

اور مجھے تیرے دیکھنے کی تمنا تھی لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر
طاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا۔

حضرت جنید کے حالات میں ناظرین اس واقعہ کو بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مگر ہم

ضروری خیال کر کے ابو بکر شبلی کے واقعات میں بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ شبلی ایک

دن نئے وحدت کے نئے عزمین چورستانہ وضع سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب جنید کی بی بی عارف زما: شوہر کے پاس بھیجی ہوئی تھیں۔ ایک نامحرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اٹھ کے پردے میں چھپ جائیں۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا: کہاں جاتی ہو؟ شبلی اس وقت اپنے آپے میں نہیں۔ یہ نہ سمجھ کہ وہ یہاں موجود ہیں۔ وہ تو غائب ہیں۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں انھیں چھپنے کی ضرورت نہیں شوہر کی زبان سے یہ کلمات سن کے بیچاری اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئیں۔ اور شبلی اندر آئے۔ جن سے جنید سے کچھ باتیں ہوئیں۔ انہوں نے گفتگو میں شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا: ”تھارے پھینکے کا وقت آگیا۔ کیونکہ شبلی عالم باطن سے ظاہر کی طرف آرہے ہیں۔ اب تم اٹھ کے پردے میں چلی جاؤ۔ وہ اٹھ کے پردے میں چلی گئیں۔ اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر میں تھے۔ بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کا وہ اشعار پڑھنے کا مذکورہ سابق واقعہ اور یہ جنید کی بی بی کے سامنے آنے کا واقعہ دونوں ایک ہی وقت میں گزرے یعنی وہ اشعار شبلی نے اسی محترم خاتون کے سامنے پڑھے تھے۔

اب جذبات وحدت نے شبلی کا یہ عالم کر دیا تھا کہ مرشد کو بھی اکثر خاموشی کے ساتھ ان کے غدرات تسلیم کر لینا پڑتے۔ چنانچہ جب انھیں حد سے گزرتے اور مخفی جذبات باطن کو علانیہ اور علی رؤس الاشهاد بیان کرتے دیکھا تو حضرت جنید نے روکا اور فرمایا: ”میں ان رموز کو پوشیدہ بیان کیا کرتا تھا اور تم منبروت پر چڑھ چڑھ کے علانیہ کہا کرتے ہو“ خود ہی سے گزرے ہوئے پر جوش مرید نے عرض کیا: ”میں بی

کتابوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں موجود ہی کون ہوگا؟
 یہ صداقت ہے۔ آتی ہے۔ اور حق کی طرف جاتی ہے۔ درمیان میں شبلی نہیں ہے۔
 یہ جواب ثانی سن کے حضرت جنید بولے یوں ہے تو تم جو چاہو کہو ہمارا وجود اس کے
 حضرت جنید اب بھی اکثر یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے عہد کو مجھ یوں پر نہ ظاہر
 کیا کرو بلکہ اس نصیحت پر عمل کرنا شبلی کے اختیار سے باہر تھا۔ بعض اوقات شیخ کے
 پسند و ناصح پر آپ ایسی پُر لطف تعریفیں فرماتے کہ خود مرشد کا دل پھر ک جاتا ایک
 دن اثنائ گفتگو میں حضرت جنید نے فرمایا ”من طلب وحدۃ“ (جس نے وحدۃ حاصل کیا)
 شبلی بولے جنانے نہیں یوں فرمائیے کہ ”من وجد طلب“ (میں نے یا وہی طالب تھا)
 ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مانک جو بندار افغانی کے شاگرد تھے انھوں نے پچھو
 ۳۰ برس کی عمر پائی تھی اور شیخ ابو بکر شبلی کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
 جنید نے منبر پر جا کے فرمایا ”حق جنید حاضر ہو“ مطلب یہ تھا کہ ”جنید (میں) سچ مچ موجود
 تھا“ شبلی نے ایک جوش و خروش کے ساتھ فوراً ٹوکا۔ اور کہا ”غیبت سرام ہے“ مطلب
 یہ کہ جنید کہاں ہوا اُس ذات وحدۃ شریک کے کوئی نہ تھا۔ اور جب کہ جنید غائب تھے تو
 پھر اُن کو اُن کے پیچھے موجود بتانا غیبت ہے۔

ایک دن جنید نے پوچھا ”تم حق تعالیٰ کو کیونکر یاد کرتے ہو؟“ اس سے کہ نہ تم میں
 اُس کے یاد کرنے کے قابل صدق ہے۔ اور نہ اُس کے ذکر کی صلاحیت ہے۔ حضرت
 جنید کے اس قول میں صرف شبلی مخاطب نہیں بلکہ انسانی حالت و فطرہ کی نسبت
 کہا گیا ہے کہ اُس میں خدا کا ذکر کرنے کے مناسب صدق اور اُس کا نام زبان پر

لانے کی اہلیت نہیں ہو سکتی شبلی نے کہا ”میں چشیت مجازاً اس کو اس قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ چشیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ کرتا اور ایک بار مجھے یاد کر لیا تھا۔“ یہ ایسی سچی اور پتہ کی بات تھی کہ حضرت جنید صاحبِ وظائف و مسکنین بھی ایک نذر مار کے بیہوش ہو گیا۔ مرشد کی یہ حالت دیکھ کے شبلی کی زبان سے نکلا ”رستہ بھی دو کیونکہ اس دربار میں کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ۔“

ان باتوں سے جنید شبلی کے کمال روحانی کالوا مان گئے تھے چنانچہ ایک ن شبلی کو شوق و وجد کے غلبہ سے متغیر و مضطرب دیکھ کے کہا ”شبلی اگر تم اپنا کام حق تعالیٰ پر چھوڑ دو تو راحت پاؤ۔“ یہ سن کے شبلی نے جواب دیا ”یوں تو نہیں۔ لیکن ہاں اگر حقیقتاً میرا کام بچہ پر چھوڑے تو البتہ راحت پاؤں۔“ جنید یہ سنتے ہی بے تحاشہ کہ اٹھے ”شبلی کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے۔“

انہیں باتوں کی وجہ سے حضرت جنید کے ساتھ شبلی کو ایسی خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی صحبت میں جو قدر و منزلت کی ہوتی کسی کی نہ تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جنید نے اپنے مریدوں اور حاضرین صحبت کے ساتھ ایک مقام پر لوگ باہم ایک دوسرے کو بس آنکھ سے دیکھتے ہوئے اس آنکھ سے شبلی کو نہ دیکھا کہ وہ کیونکہ یہ ایک آنکھ ہیں اللہ کی آنکھوں میں سے۔“

ایک بار جنید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ صبح اٹھے ہی شبلی سے یہ کیفیت بیان کر کے پوچھا ”تم ایسے کون سے اعمال کیا کرتے ہو؟“ انھوں نے عرض کیا کہ نماز مغرب کی سنتوں کی عید

دور کومت نفل پڑھا کرتا ہوں۔ اور اُن میں آیہ کریمہ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ اَنْزَلَ بِكُمُ الْقُرْآنَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ اُن کے جنید نے فرمایا ”بے شک یہ اسی کی برکت ہے۔ غالباً اسی معاملے کو ملاحظہ فرما کے اور نیز دیگر حالات باطن کا اندازہ کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے ”ہر قوم کا ایک تاج ہوا کرتا ہے اور شبلی اس قوم کے تاج ہیں“ اور یہ بھی مرشد کی خدمت میں اب اس قدر بیباک ہو گئے تھے کہ اپنے جذبات پاک باطنی کے جوش میں جو چاہتے کر گزرتے۔ چنانچہ ایک دن حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کی صورت دیکھی۔ اور ہاتھ بڑھا کے اُن کے عامے کی بندشیں بگاڑ دی جنید نے تو قرض نہیں کیا۔ مگر حاضرین نے متحیر ہو کر پوچھا ”کیا کیا؟“ ہوئے ”مجھے اس وقت یہ پگڑی بہت ہی بھلی اور خوشنما معلوم ہوئی۔ اس لیے میں نے اُسے بگاڑ دیا یعنی میں اپنے مرشد کے لیے زینت دنیوی کو نہیں پسند کرتا۔“

لیکن باوجود ان قدروانیوں اور ایسی قربت کے راز و نیاز کے حضرت جنید نے اپنی مرشدی اور اُستادی کی وضع نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دیتے جس سے شبلی کا نفس موٹا ہو۔ ایک دن خدمت میں بہت سے مرید اور عقیدہ کشیں حاضر تھے۔ اور شبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے شبلی کی نظر شروع کی کہ ”ان میں صدق ہے ذوق و شوق ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جو اور کسی میں کم نظر آتی ہیں۔“ حضرت جنید بولے ”غلط کہتے ہو۔ یہ تو مردود اور خذل سے دور ہے۔“ پھر حکم دیا کہ ”شبلی کو میری صحبت سے نکال دو۔“ جب شبلی اس حکم کے

صحابق نکالے جا چکے تو ارشاد فرمایا ”تھاری یہ تعریف تعریف نہ تھی بلکہ ایک تلوار
جی جس سے تم شبلی کو قتل کیا جاتے تھے۔ اگر میں نے اختلاف نہ کیا ہوتا تو اس کا
نفس سرکش ہو جاتا۔“ وہ تمھارے اس حربے سے ہلاک ہوئے ہی کو تھا کہ میں نے
ایک سپرد میان میں کر دی اور اُسے بچا دیا۔“

حضرت جنید کے بعد بھی شیخ ابو مکہ شبلی کو اپنے مرشد کا ولسا ہی ادب و لحاظ رہتا
جیسا پاس ادب کہ اُن کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جنید مرحوم و
مضور کی تربت پر کھڑے ہوئے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بجائے
جواب دینے کے یہ شعر پڑھ دیا۔ ۵

اِنِّیْ لَا سَتْحِیْتُ مِنَ التُّرَابِ بَلِّغْنَا کَاکُنْتَ اسْتَحْیْتُ وَهَوِیْرَانِ
اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے خاک میں مدفون ہیں میں اُن سے
وِسی ہی شرم کرتا ہوں جیسی شرم اُن سے اُن دفن کرتا تھا جب وہ مجھ دیکھتے
ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں پیر اور مرید گذرے ہیں مگر جنید اور شبلی کے
سے مراد و مرید کم نظر آئیں گے۔ بس طرح اب کسی مرید کو جنید کا سامرشد ملنا دشوار ہو ہی طرح
شبلی کا سامرید بھی چراغ لے کے ڈھونڈ ہیے تو کسی مرشد کو نصیب ہو گا۔

مزاج طبعیت۔ اخلاق عادات۔ اور عام واقعات

بازجو دیکہ شبلی کے جذب و جوش اور بے اختیاری و از خود رفتگی کی کوئی انتہا

نہ تھی مگر ان درویشوں اور فقہروں میں نہ تھے جو شرع شریف کی طرف سے غافل
 و سب پر دانا ہو جاتے ہیں۔ آپ کے شیخ حضرت جنید بغدادی ہی کی نصیحت تھی کہ
 سوا حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہیں یہ
 خلافت پیغمبر کے رہ گزیدہ کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

چنانچہ فرائض دین کے پورے پوری باندھے۔ نماز روزہ اور عبادت الہی میں ہمیشہ
 مشغول و منہمک رہتے۔ اور اس حد سے زیادہ انہماک سے طبیعت میں ایک
 اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُس اضطراب کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ شرع منظر
 نبوی صلعم کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے۔ رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو عبادت کیلئے
 خاص اہتمام اور بے انتہا کوشش فرماتے۔ اور کہتے اُس مہینے کی میرے پردگار
 نے تعظیم کی ہے تو پھر میں تو اس کی تعظیم کرنے کا اور زیادہ مستحق ہوں۔“

لیکن روحانی تعلیم اور صفائے باطن کی برکت سے اس زہد و اتقا میں کسی
 قسم کا عجب و تکبر نہیں پیدا ہونے پایا تھا جیسا کہ اکثر مقتداؤں میں پیدا ہو جاتا ہے
 فرماتے تھے ”میرا نگاہ عجز و نیاز ہے۔ اور انکے رنجھے لاٹھی پکڑ کے لے چلتا
 ہے۔“ مزملہ الاقدام دنیا کی حالت دیکھ کے فرماتے ”میں چار بلاؤں میں مبتلا
 ہوں۔ (۱) نفس (۲) دُنیاء (۳) ہوا۔ (۴) شیطان اور تین بڑی بیماری مصیبتیں
 مجھ پر آ پڑی ہیں۔ (۱) حق میرے دل سے دور ہے (۲) باطل حق کی جگہ آ کے بیٹھ گیا
 ہے (۳) ایسا نفس کا فرر لھتا ہوں جس کو اس کی دوا کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔“ اکثر فرماتے۔
 ”میری ذلت نے یہود کی ذلت کو مٹا دیا۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا اپنا

حال بیان کرو اُس نے کہا "میں حرف کے نیچے کا نقطہ ہوں" یعنی نہایت حقیر چیز
ہوں۔ آپ نے اُن کے فرمایا: تم میرے گواہ ہو جب تک آپ یہ کہیں کہ میں نے
میں کر سکتے: آپ کے اِلماسار کی یہ حالت تھی کہ فرمایا "ایک" ت سے ارادہ کرنا
ہو کہ جسی اللہ کوں۔ اُم حب کہنے پر آدود ہوتا ہوں دل میں خیال گزرتا ہے کہ
یہ دل جھوٹ بکتا ہے۔ اور یُن کے میں خاموش ہو جاتا ہوں۔

عبدالرحمن فرماتی جو آپ کے خوشہ چینان بلغ ولایت میں تھے کتے میں
کریک ترکیبی شخص نے حضرت شیخ شبلی کے دروازے پر جانے کے دستک دی۔ آپ
کبیرائے موسے سنگے سر اور سنگے پاؤں مابین نکل آئے اور پوچھا کہ پوچھتے ہو؟ اُنہوں نے
سارو شبلی کو سنتے ہی بولے "تم نے نہیں سنا؟" مات کا فرافلا رحمہ اللہ! (کا فر مر گیا
خدا اُس پر رحم نہ کرے)۔

زہ دریا خست نے آخر الامر آپ کے دل میں رنج و الم اور تکلیف و مصیبت
ن کو رانی پیدا کر دی تھی۔ رنج سے اُنس ہو گیا تھا۔ اور تکلیف میں ایک مزہ
ملنے لگا تھا۔

چنانچہ درگاہ حضرت رب العزت میں، کیا کہتے کہ خداوند اِخلقت تیری
نعمتوں کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیری بلاؤں کے باعث تجھ سے
محببت رکھتا ہوں۔ اور حقیقت آپ کو دنیوی سامان عشرت سے باطلع نفرت تھی
چنانچہ ایک دفعہ جوش میں آ کے بارگاہ الہی میں دُعا کی کہ "خدا یا دنیا و آخرت
دونوں مجھے بخش، سے تاکہ ان دونوں کا ایک نوالہ بنا سکے کسی یہودی کے مُنہ

مین رکھ دوں جس کے بعد یہ دونوں پر دے خلقت کے آگے سے اُٹھ جائیں اور اہل عالم منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ یہودیوں کا حریص و طامع اور انتہا درجہ کا دنیا طلب ہونا یورپ میں بھی مشہور ہے۔ اور مسلمانوں کے عہد اولین میں بھی مشہور تھا۔ لہذا اس تمام سامان عیش کے دینے کے لیے ایک یہودی کو منتخب کرنا حضرت شبلی کا ایک بڑا شاعرانہ کمال ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس خیال کو انھوں نے نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

عبادت و ریاضت کے ساتھ اتنا بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ چنانچہ اپنے اوپر ہم کر لیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھائیں گے۔ پھر اس پر بے نفسی اور یکسوئی پس بنا کی تھی کہ بعض افعال سے جو خلوص اور سچے جوش بے نفسی کا نتیجہ ہوتے جنوں کی جھلک نمایاں ہو جاتی۔ ایک دن نئے کپڑے پہنے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اُن کے انھیں آگ میں رکھ دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو شرع کے بھی خلاف ہے۔ فرمایا ”اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ انکم دما تقبذون من دون اللہ حصیب جہنم رکما“ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہوں گے (یعنی جس چیز کی طرف تیرا دل مائل ہو وہ بھی تیرے ساتھ آتش دوزخ میں جلائی جائے گی۔ اور اس وقت اس لباس کی طرف میرا دل مائل ہو گیا تھا۔

بعض اوقات انھیں خیالات سے جوش میں آ کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے۔ اور لوگ سمجھتے کہ مجنون ہو گئے ہیں۔ ایک ایسے ہی اتفاق سے موقع پر کسی نے کہا ”آپ نے اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور عید سر پر آ گئی۔ لوگ تو اس دن

زینت و زینت کے ساتھ نئے نئے کپڑے پہن کے آئینہ کے اور آپ کی یہ حالت بدلی
 فرمایا "فقیر کی زینت اُس کا فقر اور اُس فقر پر صبر کرنا ہے۔ ایسا مرتبہ عید کو (غالباً
 کسی کے کہنے سننے سے) دس نئے کپڑے پہنے۔ مگر جب عید کا دن آئے تو یہ کہ
 لباس کے امتیاز کا لحاظ کر کے لوگ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ دنیا پرستی
 کی یہ تصویر دیکھتے ہی ان کے دل میں کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اپنے وہ دونوں
 کپڑے اتار کے ایک تنور میں ڈال دیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا جواب
 دیا؟ میرے دلی تین آئی کہ جس چیز کی یہ لوگ پرستی کر رہے ہیں اُسے جلا دوں
 اور اس کے بعد اپنا معمولی زرد و سیاہ فقیرانہ لباس پہن لیا۔

علیٰ بن القیاس ابو عبد اللہ رازی جو نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھو بیان
 کرتے ہیں کہ ابن انہادوسی نے مجھے ایک صوف کا کپڑا بچایا تھا۔ اور اُس کے بعد
 اصفہان میں نے شیخ ابو بکر شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی۔ جو اُس صوف کے لباس پر
 دوڑوں اور اُس کے جوڑ کی تھی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش یہ دونوں
 چیزیں میرے پاس ہوتیں۔ انھوں نے اُس ٹوپی کو کچھ ایسی لالچ کی نگاہ سے دیکھا
 تھا کہ شبلی ان کے دل کی ہوس پرستی کو سمجھ گئے۔ جب اُس صحبت سے جس میں
 تھے اُن کے چلے تو ابو عبد اللہ رازی کی طرف پھر کے دیکھا۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں
 یہ اُن کا معمول تھا کہ جب مجھے ساتھ لیجانا ہوتا تو اُنھے وقت میری طرف دیکھ لیا
 کرتے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاتے ہی میں اُن کے پیچھے ہولیا۔ اپنے گھر میں پہنچ کے
 مجھے بھی اندر بلایا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھ سے کہا "اپنا یہ صوف کا کپڑا اتارو۔"

میں نے اُتار کے حوالیہ تو اُسے پیٹ کے کھا۔ پھر اپنی وہ ٹوپی سر سے اُتار کے اُس پر رکھ دی۔ اور آگ منگوائے دو نوں کو جلا دیا۔

کچھ اسی وقتہ پر خضر نہیں معمول تھا کہ جب کبھی کوئی کپڑا صوف ہو یا پیرا ہن لٹنی ہو یا پانچا منہ نفس کو چلا معلوم ہوتا تو اُسے پیٹ کے آگ میں ڈال دیتے۔ رجھا کے خاک کر دیتے۔ اور کہتے: جس چیز کی طرف نفس مائل ہو اور وہ ماسوی اللہ ہو اُس کا تلف کر دینا واجب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: تو حضرت آپ اُسے مدد کیوں نہیں کر دیتے؟ فرمایا: اس طرح اُس کی صورت و حالت تو باقی رہے گی۔ کبھی کسی وہ سیرت بہرہ پر دیکھ کر بھی دل و غیبت ہوتی ہے۔ جلانے سے وہ جھٹ پٹ تلف ہو جاتا ہے۔ اور خدائی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کا حکم ہوا تو اُنھوں نے فوراً کھلم کھلا می سے اپنا ختنہ کر ڈالا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنا صبر کیوں نہ کیا؟ اُس پر فرمایا: کر لیتے۔ تو جو ب میں ارشاد فرمایا کہ خدا کے حکم میں اتنی تاخیر کرنا کوئی معمولی بات تھی۔ اُن کے لباس کی یہ وضع تھی کہ ابتداً سیاہ کپڑے پہنا کرتے تھے۔ کیونکہ امرے دولت میں تھے۔ اور بنی عباس کے دوزمین خود خلفا اور اہل دربار بلکہ تمام امرے مملکت کا لباس سیاہ رنگ کا ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب فقرا اور اہل باطن کے زمرے میں شامل ہوئے تو خرقة پہننے لگے۔ جو مشائخ باطن کی عام وضع تھی۔ اور غالباً ہکا رنگ زرد ہو گا۔ جیسا کہ اشارۃً اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہی رنگ آج تک فقرا و مشائخ میں رواج پذیر ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُنھیں خرقة پہننے

سے اکا۔ تھا۔ لیکن تجب ہے کہ ان کے مرید خاص ابو یوسف شیلی کو ہم وہی لباس پہنے دیکھتے ہیں جسے عینہ نے اپنے لیے ناپسند کیا تھا۔ جس کو تہ اندیش نہ تہ بنید پر اعتراض کر بیٹھیں گے کہ ”انچہ بر خورد پسندی بر دیگران پسند“ لیکن اسے بڑے بزرگ پر ایسی ذلیل نکتہ چینی کرنا گستاخی ہے۔

لباس کی بحث آج کل بھی اکثر چھڑا کرتی ہے۔ کیونکہ اسلام با زمانہ اولیاء و رشتہ معاشرت کا مذاق بدل جانے سے ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں میں انگریزی لباس روز بروز زیادہ رواج پذیر ہوتا جاتا ہے۔ کونہ خیال بزرگ فرماتے ہیں کہ ”من تشبہ بقوم فهو منهم“ ان لوگوں کا شرعی عیسائیوں ہی کے ساتھ ہوگا۔ نئے خیالات والے آزاد مشرب کہتے ہیں کہ ”اسلام ساری دنیا کے لیے ہو اس نے کوئی برومی مخصوص نہیں کی۔ اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو بھی معاملات دینی کے ساتھ مخصوص ہے نہ معاشرت ہے۔ ورنہ خود آنحضرت سلمہ نے جبہ رومی پہنا ہے جو اس دور کا انگریزی کوٹ تھا۔“

سچ ہے کہ اب ان تنگ خیالیوں کا زمانہ حیرت انگیز اور لوڑیاں ترقلیل انسان کی نیست اور اس کے قصد و غرض سے آزا کرتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر کردہ کی ایک وضع ہوتی ہے۔ اور اس کا کوئی نہ کوئی زمی و لباس ضرور ہوا کرتا ہے۔ اس زمی میں ہونا بغیر زبان سے نئے بتا دیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس کردہ اور طبقہ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس کی ضرورت دین کو نہیں بلکہ معاشرت کو اور دنیوی سوسائٹی کو ہے۔ تاکہ صورت دیکھتے ہی شہر کے ساتھ اس کی شان و حالت کے مناسبے تاؤ کیا جاسکے۔ لیکن عہد و شائع چونکہ قوم کے مقتد اور ستارچ ہوا کرتے ہیں لہذا ان میں اکثر

اسی لباس کے پہلو سے ریاکاری و نمود اور تجر و خیلا (نخوت) کی شان پیدا ہو جاتی ہے جس سے عوامانہ اور درویشانہ ذریعہ میں دو جہتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ یعنی ممکن ہے کہ کوئی ریاکار ہی و نیلا سے بچنے کے خیال سے اُسے ترک کر دے۔ اور کوئی یہ خیال کر کے کہ میں جس گروہ کی وضع اختیار کروں گا۔ اُسی گروہ کے خصال و عادات اختیار کرنے کا شوق دل میں پیدا ہو گا اُسے اختیار کر لے۔ اگرچہ دونوں کے مذاق میں اختلاف اور بون بےید ہے مگر دونوں شخص اپنی جگہ پر نیک نیست، ہیں اور کمال پاکبازی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

حضرت جنید اس قدر مشہور و معروف تھے کہ ضرورت نہ تھی فقیرانہ لباس کو ذریعہ تعارف قرار دین۔ بخلاف اس کے اُن کے مریدین کے یہ فقیرانہ وضع کا قائم رکھنا لازمی تھا کیونکہ اور لوگ درکنار بعض کو شاید بعض اوقات خود بھی بھول جاتا کہ ہم درویش ہیں یا کوئی دنیا دار۔ رہا یہ کہ حضرت شبلی نے ارادت کے مراحل طے کر کے جب ارشاد کا درجہ حاصل کر لیا تو اُس وقت بھی اس لباس سے کیون نہ کنارہ کشی کی اس کا فیصلہ مناسب لگا کہ ہم حضرت شبلی ہی کے مذاق و خیال پر چھوڑ دیں۔ اُنھیں اپنی بے نفس طبیعت پر اطمینان تھا کہ اُن کا خرقہ کبھی دلق سالوس نہ بنے گا۔ اور کبھی کیر و نخوت میں نہ مبتلا ہوں گے۔ اور اپنے فقیرانہ مشاغل کا شوق قائم رکھنے کے لیے وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اُس مقدس گروہ کے ذی و لباس کو چھوڑ دیں۔ اسی طرح آج کل کے کوٹ پتلون پہننے والوں کی نسبت بھی ہمیں کوئی عام رائے قائم کر دینی چاہیے کیونکہ ان میں بھی مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ ہیں۔ اور ان کے لیے بھی مختلف جہتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض اسے آج کل کی وضع امارت تصور کرتے ہیں۔

بعض رس میں پُرتلا پن یا اور جسم کی معاشرتی سہولتیں اور خوبیاں پاتے ہیں بعض بجائے عیسائیوں کے اسے ترکوں کا لباس یا بال کر کے اختیار کرتے ہیں۔ اور شاید ہادر ہی کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو محض رس لیے انگریزی لباس پہنتا ہو کہ عیسائیوں کا لباس ہے۔ اور سب سے بڑی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اپنی مسئلہ بنانا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ایک معاشرت و سوسائٹی کا مسئلہ ہے۔ اور دنیوی امتیاز و تعارف کے لیے۔ نہ ثواب و عقاب چل کر نیچے بلکہ حضرت شبلی اگرچہ عموماً ماز و رنگ کا لباس پہنتے تھے مگر کبھی کبھی سیاہ لباس بھی پہن لیا کرتے چنانچہ ایک مرتبہ سید کے دن سیاہ کپڑے پہنے وجد و بخود ہی کی حالت میں نظر آئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ سیاہ کپڑے کیوں؟ فرمایا خلقت کی مصیبت کے غم میں اس لیے کہ خدا سے غافل ہے۔

حضرت شبلی کو وہ خرقة پوش تھے مگر نمائشی خرقة پہننے والوں کی نسبت ان کے جو خیالات تھے ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا کہ آپ کے احباب اور مریدوں کی ایک جماعت آئی ہے۔ اور وہ لوگ جامع مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپ ان سے ملنے کو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سب کے سب خرقة پہنے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی فرمایا: اقامت الخیام فاتجا الخیام ہم واری فناء الحق غیور فناء ہائے خیمے تو بان ویسے ہی جیت کر قبیلہ کی عورتیں دوسری معلوم ہوتی ہیں (یعنی لباس تو بے شک تارک الدنیا بزرگوں کا سا ہے مگر پہنے والے دیسے نہیں بلکہ نفس پرست ہیں۔

آپ کا معمول تھا کہ بغداد میں جامع منصور کے اندر رفیقہ ابو عمران کے حلقہ درس کے برابر بیٹھ کے خلق اللہ اور طالبان حقیقت کو روحانی درس دیا کرتے۔ اور گرد و مہدوں کا حلقہ ہوتا۔ آپ کے خادم ابو بکر اعظمی بھی اس حلقہ فیض میں شریک رہا کرتے۔ انھیں کا بیان ہے کہ ابن سمعون جو بعد کے زمانے میں ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے ولی کامل ہوئے ہیں اور الناطق بالحق کے محترم لقب سے مشہور تھے اُن کا بچپن کاننا تھا۔ ایک نہایت ہی پُر خلقت ٹوپی بانپن کی وضع سے پہنے ہوئے بچوں کی طرح وہ مسجد میں داخل ہوئے شبلی کے قریب آئے۔ اور بغیر اس کے کہ انھیں سلام بھی کریں آٹھ بڑھ گئے۔ وہ بیٹھ پھیرے جا رہے تھے کہ شبلی نے اُن طرف اشارہ کر کے منہ سے کہا ”ابو بکر جانتے بھی ہو کہ اس بچے میں خدا کے کیا کیا ذخیرے ہیں؟“

یہاں حضرت شبلی کی فصیح البیانی اشراوقات ابو عمران کے حلقہ درس کے طلبہ کو خاموش کر دیا کرتی اور ان کا وعظ سننے کے شوق میں وہ اپنا درس بھول جایا کرتے۔ ایک دن ابو عمران کے طلبہ نے اپنے زعم میں خیال کیا کہ کوئی فقہی مسئلہ پوچھ کے ہم شبلی کو خاموش کر دیں گے۔ اور مجمع عام میں شبلی کی ٹسکی دگی۔ چنانچہ انھوں نے آپ سے مسئلہ پوچھا۔ پوچھنے والے اس مسئلہ میں علماے سلف اور مجتہدین کے اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ پھر اُن کے باہمی اختلافات بتائے۔ غرض ایسی سچی اور پُر اثر تقریر کی کہ تمام سامعین مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ابو عمران نے اللہ کے شبلی کے سر پر ہوسہ دیا۔ اور کہا ”ابو بکر میں نے اس مسئلے میں بارہ نئی باتیں تم سے حاصل کیں جن کو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔“

تم نے جو کچھ بیان کیا اس میں سے صرف تین امر مجھے معلوم تھے۔

یہی صحبت تھی جس میں ممبر پر پڑھ ٹیڈ کے وہ اُن رموز عرفان اور باریک حکم و حدت کو بیان کیا کرتے ہیں کی نسبت سنت جیند کو خاص طور پر اخفا کا ہتمام رہتا۔
 ۱۰۔ بار بار حضرت علی سے کہتے کہ تم جو بواہیر نہ ظاہر کیا کرو آپ اس صحبت میں ہم قسم کی ایسی تعلیم دیتے اور مریدوں کو سکھاتے کہ ان کے لیے اس قدر استعداد ہے تھے کہ کبھی اگر اس بات کو نہ بتاؤ کہ اس سے ذرا سست پر جان۔ اور کوئی طالب حقیقت کوئی بات نہ پہنچاتا تو جو سن اس سے کہتے کہ تعالٰیٰ عیضہم بما ظلموا فہم لا یظلمون۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ان کی نسبت خدا کا جو کسنا تھا پورا ہوا۔ ہذا اُن کے منہ سے بات ہمیں نکلتی۔

زندگی میں بار بار ایسا ہونے لگے۔ مگر صرف دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ لوگ اُنھیں بیمارستان لائی وارا الشفا میں اٹھا لے گئے۔ لیکن وہاں بھی ان کی ولایت و قناعت اور رانسی پر نہ اسے اسی ہونے کی شان قائم رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بار طیب نے کہا: پرہیز کیجئے۔ کیا کس چیز سے؟ جو نعمت میں ہے اس سے یا اس سے جو نہیں ہے؟ جو چیز تقدیر میں ہے اس سے؟ سر میں ہے۔ بچے ہی کی رہی وہ جو نہیں ہے۔ اس سے میں پرہیز بھی تو نہیں کر سکتی۔

سنتھہ میں بمقتدہ اللہ زہ علی بن علی کی خلعت وزارت سے سرگزشت فرمایا تھا جس نے سنتھہ میں دولت عبادی وزارت کا چارج لیا اور پبلک فنانس

۱۔ رسالہ فقیر ۲۳۵۔ ۲۔ مرآۃ المؤمنین۔ ۳۔ سنتھہ میں رسالہ فقیر ۴۴

۵۔ فقہات انش۔ ۶۔ اللہ تبارک و تعالیٰ۔ ۷۔ لادیں۔ ۸۔

کے لیے بہت سے کام کیے مسجدین تعمیر کرائیں پانی مسجدوں کی مرمت کرائی۔
 ان میں فرش اور روشنی وغیرہ کا انتظام کیا۔ امامان قاریوں اور موقوتوں کی تنجیمین
 مقرر کیں۔ باجدار الشغائین قائم کرائیں۔ ان پر نامی گرامی اطباء مقرر کیے۔ اور دواؤں
 وغیرہ کے علاوہ مریضوں کے بارام سے کا بھی بندوبست کیا جہاں یہ سب انتظامات
 ہوئے۔ وہاں خدا کی قدرت کہ اسی سال مارے عراق میں امراض موبین لوگ مبتلا
 مبتلا ہوئے کہ ہزار باخلقت مر گئی۔ حتیٰ کہ بہت سے مکانون کے دروازے بند ہو گئے۔
 کیونکہ کوئی رہنے والا ہی نہ رہا تھا۔

انہیں دواؤں اتفاقاً لوگوں کی بھی سخت بیمار ہوئے۔ اور انہیں لاسکے
 رکھو گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ آپ کے علم و فضل اور اہل باطن کا معتقد تھا اسے خبر ہوئی
 تو فوراً خلیفہ وقت ائمہ ربیعہ کو بغداد کی سفینہ نے بھی شہر کی بیماری کو اس قدر اہم
 تصور کیا کہ اپنے طبیب خاص کو جو اسراطیاء ہونے کے شرف سے ممتاز اور ملت
 عینہ دی کا پیر تھا آپ کے علاج پر مامور کیا اس نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ اور خدا
 نے آپ کو شفاء عطا فرمائی رحمت کے بعد اس دربار خلافت کے ہر مہدی نے ایک دن
 شہر سے کما خراج کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے علاج کے لیے اپنے گوشت کا ایک
 ٹکڑا کھا دینے کی ضرورت ہے تو میں اس میں بھی نہیں نہ کرتا۔ بلکہ خوشی سے گوارا
 کر لیتا۔ سن کے شہر نے جواب دیا مگر میری دوا کچھ اور ہی ہے۔ حاکم صاحب نے
 پوچھا "وہ کیا ہے" فرمایا "یہ اپنی صلیب توڑ کے مسلمان ہو جاؤ۔" طبیب ان کے کلمات
 کا اس قدر معتقد ہو چکا تھا کہ اس حکم کی تعمیل میں اپنی تامل نہ کیا۔ بلکہ اٹال پیردان میں

محمدی میں داخل ہو گیا۔ جب یہ خبر خلیفۃ المقتدر باللہ کو پہنچی تو اُس کے ہونا "بھنے
 مریض کے پاس طیب کو بھیجا تھا یہ نہیں سمجھے تھے کہ طیب کے پاس مریض کو بھیجے ہے ہیں"
 خدا جانے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے یا کسی اور زمانے کا کہ بیمار ہوئے۔ اور
 دار الشفا میں جا کر رہے۔ وزیر سلطنت (اُن دنوں جو کوئی ہو عیادت کو آیا۔ اُس نے
 اس سے بیشتر اکثر ان کو یہ کہتے "نا تھا کہ جس سے یقین کا معجزہ ہو وہ مجھوٹا ہے" آپ
 اس موقع پر اُنھیں نے باتوں باتوں میں آپ کا یہ قول یاد دلانے کہا "ہاں یہ تو فرمائیے
 کہ آپ کا وہ معجزہ کیا ہوا؟" سنتے ہی جوش دینی کے لیے میں بولے "میرا معجزہ یہ ہے
 کہ اللہ جل شانہ کے اوامر و نواہی میں اُس کے حکم کی پیروی کروانے اور حج یہ ہے
 کہ یہی ہر مومن و رہبر کا معجزہ ہونا چاہیے۔ اس واقعہ میں معجزہ لغوی معنوں میں
 "کرامت" کے محل پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ متاخرین کی اصطلاح شرع میں معجزہ صرف
 اُس خارق عادت واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے ظاہر ہو۔ ۱۱۵۵۵۵
 بیماری اور دار الشفا میں پڑے ہونے کے زمانے میں بھی آپ کے جذبات
 ولی اکثر نظر آجاتے۔ اور جوش و حدت کی بخودیان عجیب شان دکھا دیتین۔ چنانچہ
 دار الشفا میں پڑے ہوئے تھے کہ چند لوگ ملنے کو آئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا "تم
 کون لوگ ہو؟" اُنھوں نے عرض کیا "اے آپ! آپ نے بیچا نا نہیں اہم آپ کے دوست
 اور احباب ہیں۔ بیمار سنا تھا۔ عیادت کو حاضر ہوئے ہیں" سنتے ہی آپ پر ہر پہلو
 سوار ہوا تو چہرہ پھینک پھینک کے اُنھیں مارنا شروع کیا۔ اور وہ سب بد خواہ
 بھاگے تب اُن سب سے چلا کے کہا "مجھوٹا میرے دوسرے ہو تو میری مصیبت پر ہرگز نہ

یہ بے صبری کسی کہ بیان دوڑے آئے ہو؟“

یہ جوش جنون کی سی شان آپ پر زیادہ تر و نور عبادت اور جذبات وحدت
میں محو ہو جانے کے سبب سے طاری رہا کرتی تھی۔ اور بہت کچھ دخل اس میں
اس امر کو بھی تھا کہ معتقد و مجنون کو دیکھا جن کی باتوں میں آپ کو نور حق کا جلوہ
نظر آگیا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن ہبلول (جن کا نام ہمارے فارسی لٹریچر میں
بہت مشہور ہے اور باوجود مجنون ہونے کے ہبلول دانا کہے جاتے ہیں) میرے
قریب سے ہو کے گزرے۔ ایک زرکُل پیرون کے نیچے تھا جس پر بچوں کی طرح
سوار تھے۔ ہاتھ میں ایک گرز تھا اور مقام جبانہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے
پوچھا ”ہبلول کہہ کر ارادہ ہے؟“ بولے اللہ جل شانہ کے سامنے جائزہ دینے جا رہا
ہوں۔ یہ کہہ کے چلے گئے۔ اور میں خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں
کہ پلٹے چلے آتے ہیں۔ اور اس حالت سے کہ وہ زرکُل جو ان کا گھوڑا تھا ٹوٹ گیا
ہے۔ اور دونوں آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا
گذری؟“ جواب دیا ”اُس کے سامنے میں جا کے کھڑا ہوا۔ امید تھی کہ خادموں
میں میرا نام لکھ جائے گا۔ لیکن جیسے ہی مجھے پچا نا نکلو ا دیا۔ یہ کہہ کے ہبلول تو چلے گئے۔
مگر ان کے دل پر ایسا اثر نہیں چھوڑ گئے تھے کہ زندگی بھر مٹ سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس فرماتے ہیں ایک جمعہ کو جامع رصافہ کے پاس میں نے ایک
مجنون کو دیکھا کہ ننگا کھڑا ہے اور کہتا ہے ”میں اللہ میان کا سٹری ہوں!“ میں نے
کہا ”اللہ میان کے سٹری ہو تو پھر اُس کی مسجد میں کیوں نہیں آتے کہ کپڑے پہن کے

نماز پڑھو میری یہ درخواست سن کے اس نے یہ دو شعر پڑھے۔

يَقُولُونَ شَرُّنَا وَانْفِزْ وَاجِبَ حَقِّنَا وَقَدْ اسْقَطْتَ حَاثِي حَقُّو قَهْمُ عَمِي

کہتے ہیں کہ ہماری زیارت کو آ اور ہمارے مفروضہ حقوق ادا کر۔ حالانکہ میری

حالت ایسی ہو رہی ہے جس نے اُن کے تمام حقوق میرے اوپر سے ساقط کر دیے۔

اِذَا ابْصَرُ وَاَحْيَايَ وَكَمْ يَا بِنُفُوَا لَهَا وَكَمْ يَابِقُوا اَمْنَنَا اَنْفَقْتُ لَهُمْ مَتْنِي

جب انھوں نے میری حالت دیکھی اور اُس کی پروا نہ کی اور اُس سے تعلق

نہ رکھا تو میں نے بھی انھیں اپنی طرف سے بے تعلق کر دیا۔

خود ہی آیت ”وَفَعَلْنَا مَا نَشَاءُ“ میں نے دیکھا ایک مجنون چلا

جاتا ہے اور بازار کے لڑکے اُس کے پیچھے ہیں جو اُسے پھینک پھینک کے پتھر

مار رہے ہیں۔ بیان تک کہ ان پتھروں سے اُس غریب کا سر بچھڑ گیا اور سارا

سُخُون آلود ہے۔ یہ حالت دیکھ کے میں نے لڑکوں کو بھڑکا اور ڈانٹا کہ کیوں

اس غریب کو ستاتے ہو؟ لڑکوں نے کہا ”جواب آپ اس میں دخل نہ دیں۔“

ہم اسے بے مارے نہ رہیں گے۔ یہ کجبت تو کا فر ہے! میں نے کہا ”تم نے کیسے

جانا کہ یہ کا فر ہے؟“ سب بولے ”جواب اُس کے دل میں بسی ہوئی ہے کہ میں خدا سے

مٹا ہوں۔ اور اُس سے باتیں کرتا ہوں۔“ تب میں نے کہا ”اچھا ذرا ٹھہرو۔ میں

اس سے دود و پائین کر لوں۔“ پھر میں اُس مجنون کے قریب گیا تو دیکھا کہ آپ

آپ باتیں کرتا اور منہ منہ ہنس کے کہہ رہا ہے۔ بس یہ تو نے خوب کیا کہ ان لڑکوں کو بھڑ پر

مسلط کر دیا۔ تاکہ ستائیں۔ مین نے کہا ”تم نے سنا بھی کہ ارکے کیا کہتے ہیں؟“ فوراً میری طرف دیکھ کے پہلے کہا ”این ایشلی!“ پھر پوچھا ”کیا کہتے ہیں؟“ مین نے کہا کہنے ہیں کہ تم اپنے گمان میں خدا کو دیکھتے اور اُس سے باتیں کرتے ہو؟“ یہ الفاظ سنتے ہی اُس نے جوش و خروش سے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا ایشلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھ اپنی محبت میں مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب و مہد کے درمیان میں اُکار کھا ہے۔ ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر وہ میری نظر سے ادھل ہو جائے تو میں صدۂ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں۔“ پھر یہ شعر پڑھا۔

خیال اللہ فی عینہ و ذکرک فی فہی و مشواہ فی قلبی فاین تھیب

(تیرا خیال میری آنکھوں میں ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام میرے دل میں ہے۔ پھر تو کمان چھپ کے جائے گا) اور یہی شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا۔ اگر غور سے دیکھیے تو یہ واقعات بھولنے والے نہ تھے۔ اور ایک شخص کو جبکا دل حضرت ابو بکر شبلی کا ایسا ہوا جانے کہا بنا دے سکتے تھے۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ انھیں دنوں حسین بن منصور حلاج کا واقعہ پیش آیا۔ جو انھیں کے مرشد حضرت جنید کے مرید جذبات میں ڈوبے ہوئے۔ اور ایسے غفی الحال شخص تھے کہ خدا جانے کیا تھے اور کس مذاق کے تھے۔ صوفیہ متاخرین اور تقریباً کل شعر لے فارس نے انھیں ایک ولی کامل۔ اعلیٰ درجے کا صوفی صافی۔ جذبات وحدت میں غرق۔ اور فنایت کے درجے پر پہنچا ہوا شیخ باطن تسلیم کر لیا ہے۔ گو ان کی نسبت بڑے بڑے اختلافات ہیں مگر صوفیہ متاخرین کا دعویٰ ہے کہ اُنھوں نے جوش میں آ کے نعرہ

”انا الحق“ بلند کیا یہ خلافت شریع شریف و عوے اگرچہ اہل ذوق کے گوش باطنی کو ناگوار ہونے لے عوض سچا معلوم ہوا مگر علما و خلیفہ المکتفی باللہ کے دربار میں شک و شبہ پیش کی جس کے حکم سے اس عہد کے علما اور قاضیوں نے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور حسین بن منصور مصلوب ہونے کے بعد قتل کیے گئے۔

ظاہر ہے کہ خود اپنے ہی مرشد کے ایک مرید اور اپنے ہی مکتب عرفاں کے ایک طالب حق کو ایسی حالت میں مبتلا دیکھ کے آپ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟ اور کیسے کیسے خیالات دل میں گذر رہے ہوں گے؟ تاہم اتنی احتیاط ضرور تھی کہ جب منصور نے آپ کو اپنے ہم خیال و ہم عقیدہ لوگوں میں بتایا تو آپ نے اگرچہ اس خیال و عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کی مگر حسین بن منصور علاج کے قتل کا فتویٰ دینے سے بھی ہاتھ روکا۔ اور جو کچھ فرمایا صرف اس قدر تھا کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہوں۔ روکا جائے جس امر میں کہ ابو العباس عطاء۔ ابو عبد اللہ خفیت ابو القاسم نصر آبادی اور ابو العباس سرچ کے ایسے نامی گرامی زرگان زمانہ نے بھی آپ سے اتفاق کیا۔ بلکہ متاخرین کی ایک روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ شبلی نے چاہے صریح الفاظ میں علاج کے اقوال کی تصدیق نہ کی ہو مگر ضمناً ان کی حقیقت تسلیم کر لی۔ اس لیے کہ علاج جب مصلوب کیے گئے تو شبلی سونے کے نیچے جا کے ٹھوڑے ہوئے۔ اور ان سے کہا۔ اذکم نھنک علی العالمین ”یعنی اہل عالم پر آشکارا کرنے سے ہم نے تمہیں نہیں منع کیا تھا؟“ جس قاضی نے قتل کا فتویٰ دیا تھا سُن کے بولا۔ وہ (علاج) تو غیر نبی ہی کا دعویٰ کر رہا تھا مگر یہ (شبلی) خدائی کا بھی دعویٰ کر رہے ہیں۔

عہ تلبیس ابلیس۔ بابا فضل ۵۔

شبلی نے اس کے جواب میں کہا ”جو یہ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں مگر فرق یہ ہے کہ دیوانگی نے مجھے بچا لیا۔ اور عقل نے انھیں تباہ کیا۔“

لیکن ہمیں مذکورہ بالا واقعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ ہمدانی کی یہ روایت زیادہ قابل وثوق ہے کہ ”حسین بن منصور کے قتل کے وقت جناب شبلی نے فاطمہ نیشاپوریہ نام ایک عورت کو ان کے پاس بھیجا۔ اور اس کے ذریعہ سو چندہ باتیں دریافت کرائیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ تصوف کیا چیز ہے؟“ اس کا جواب کھلاج نے یہ دیا کہ ”جو کچھ ہون میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بخداے لم یزل کبھی ایک گھڑی کے لیے بھی لذت و الم میں امتیاز نہیں کیا۔“

حضرت شبلی کو سب کے پہلے قناعت کا سبق دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے آپ میں دُنیا طلبی نام کو بھی نہ تھی۔ مگر دُنیا بُری چیز ہے۔ ایک آدمی مرتبہ کسی دُنیا دار سے کچھ درخواست کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑا۔

چنانچہ ایک امیر کے پاس آدمی بھیج کے کچھ منگوا یا تو اس نے اعتراضاً ملامت بھیجا جس سے آخرت و عقبی کے طالب ہوا کرتے ہو اسی سے یہ بھی مانگو۔ یوں تو شیخ شبلی بہت ہی بے نفس بزرگ تھے مگر زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت نے انھیں قویٰ و خد پر خ کے۔ رے میں بڑا ہی صاحب جلال بزرگ بنا دیا تھا۔ جواب میں اس کے پاس کہا ”بھجبا کہ تو ذلیل ہے اور دُنیا بھی ذلیل ہے۔ اس کے مقابل خدا شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور شریف کو شریف سے

عنه نجات الانسان ۱۳۹ ۱۵۰۔ عہد لکھنؤ برٹری آف پرسنل۔ از ابتدا تا بعد فردوسی مصنفہ

ایڈورڈ ہرون۔ ۱۳۳۳۔

مجتاہون سے گو اس جواب کے ایک ایک لفظ سے غیظ و غضب اور جوش و جلال کی چکاریاں
 اٹھ رہی ہیں۔ مگر کس قدر سچی بات کہی ہے۔

ایسا نہ تھا کہ آپ صرف اپنے مدرسہ باطن کے طلبہ اور حلقہ نشینان درس گاہ
 ارادت کی رہبری و منتدائی اور تعلیم و تربیت ہی میں مشغول و مصروف رہتے
 ہوں اور دیگر ائمہ باطن کی تعلیم و اور ان کے حالات سے بے پروا ہو جائیں
 یہ سچ ہے کہ ایک عابد و متاوض بزرگ کا کام یہ ہے کہ جس سے لو لگائی اُس کے
 سوا گل چیزوں کا خیال صفحہ دل سے مٹا دے۔ لیکن چونکہ آپ امام اہل باطن
 تھے اور اپنے نفس کی تکمیل کے سوا دوسروں کے کمال کی فکر میں بھی رہا کرتے
 تھے اس لیے ضرور تھا کہ دیگر شاخ باطن اور معاصر علمائے طریقت کے حالات
 و تعلیمات کی تنقید بھی فرماتے رہیں۔

اس بارہ خاص میں آپ کی سرگرمی اور جستجو کا اس سے پتہ چلتا ہو کہ جب آپ نے
 ابوالی تقی کے کمالات باطن کی کیفیت سنی جو خراسان کے شہر نیشاپور میں گوشہ گیر تھے اور
 بلاد مشرق کے شیخ طریقت نبوئے تھے تو اپنے حلقہ اذوت کے ایک معتمد و صاحب علم شخص کو
 نیشاپور بھیجا اور حکم دیا کہ پورے ایک سال تک صبح و شام انکی صحبت میں شریک ہو انکی
 زبان سے جتنی باتیں سنو ان کو بقید وقت لکھو۔ اور پھر ملفوظات کے اس ذخیرہ کو
 میرے سامنے لا کے پیش کرو۔ وہ شخص گیا۔ اور اس طرح خاموشی کے ساتھ شیخ ابوالی تقی کو
 نضاح کو قلب بند کرتا رہا کہ نیشاپور میں کسی کو گمان بھی نہیں گذرا کہ بغداد کے شہنشاہ و معرفت کا کوئی ہاتھ
 خراسان کے اس روحانی دربار میں موجود ہے۔ یہ ملفوظات اُس نے اس ترتیب سے جمع کیے کہ

دو جلدیں کریں۔ ایک مین سچ کے وقت کی تعلیمیں تھیں اور ایک مین شام کے وقت کی ختم سال پر جب وہ مرید ان ملفوظات کو لے کے حاضر ہوا تو اپنے دونوں حلقہ کو لے کے خواص و عموماً کی نظر سے ملاحظہ فرمایا۔ اور غور کامل کے بعد فرمایا: اس شیخ کی صبح کی باتیں تو علم حقائق کے رموز ہی مین تجربات ہیں۔ مگر رات کا کلام تمہیں دفا سد ہے۔ اور حقیقت معرفت سے دور۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہو کہ شب کو وہ اپنے ستری مشاغل مین مصروف رہتا ہے۔ اور صبح کو ایسا پاک باطن اٹھتا ہے کہ کلام مین یہ اعلیٰ درجے کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کہہ کے اپنے اُس شاگرد سے پوچھا تم نے شیخ کے گھر مین جاکے فرش ظروف اور سامان خانہ دارسی کو کبھی دیکھا تھا وہاں اُس قسم کی چیزیں ہیں جنھیں لوگ زینت دینا کہتے ہیں؟ عرض کیا سچی ہاں مین لے، وہاں فرش دیکھا۔ اور اکثر ایک دمشق طشت کو دیکھا کرتا جو مکان کے ایک کونے مین رکھا ہوا کرتا تھا۔ اتنا سننے ہی آپ جوش و خروش سے چلا اٹھے۔ اور فرمایا: نہیں ابھی چیر۔ ز شام کو اُن کی حالت بدل دیا کرنی ہے۔

یہ دقتہ تبارک ہے کہ باوجود مشاغل باطنی اور خدا شناسی کے جذب و جوش کے آئیے ماضی مشائخ باطن کے حالات سے کس قدر واقف رہا کرتے تھے۔ آپ کی حالت پر غور کیا جائے تو ازل سے آخر تک خوف الہی کے جذبات طاری نظر آتے ہیں۔ اور خود ہی فرماتے تھے: ”کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مجھ پر خوف طاری ہو، بلکہ اور ساتھ ہی حکمت و عبرت کے دروازے میرے دل پر نہ کھل گئے ہوں۔“

آپ کے فضائل و عادات سے حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی

اپنی بے مثل و بے نظیر اخلاقی و روحانی کتاب بوستان میں فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ دانتے
 یہ ہے کہ آپ نے ایک دن گیون کا ایک بوجھ پیٹھ پر لاد کے یا زار سے گاؤں میں
 پہنچایا۔ وہاں پہنچ کے نظر آیا کہ گیون میں ایک چوٹی بھی چلی آئی ہے۔ رات کو
 سوئے تو نیند نہ آئی کہ میں تو اپنی خوابگاہ میں ہوں اور وہ چوٹی میرے سب سے
 بے خانمان ہو گئی۔ آخر اسے گیون میں سے ڈھونڈھ کے نکالا اور جہان سے لے
 تھے وہیں پہنچا آئے تب حین پڑا۔ چنانچہ اسی واقعہ کو شیخ سعدی نے ان دیکش
 الفاظ میں نظم فرمایا ہے:-

اگر نیکم روی و پاکیزہ رو	کے سیرت نیکمردان شنو
بدرہ بردا بنان گندم بدوش	کہ شبلی زحافوت گندم فروش
کہ سرگشتہ از ہر طرف میدوید	نگہ کرد مورے در غلہ دید
بمادای خود بازش آورد گفت	ز رحمت بردش بنادرست خفت
پراگندہ گردانم از جای خویش	مروت نباشد کہ این مور ریش

محبت۔ اور ذوق مشوق

اسلام نے ان گذشتہ تیرہ سو برس میں بڑے بڑے باخدا اور برگزیدہ بارگاہ
 لم یزلی پیدا کیے جن میں صحابہ کبار اور بعد کے طبقوں میں ابو بکر شبلی سے بہت زیادہ
 مرتبہ کے خدا شناس و خدا رسیدہ گزر گئے ہیں لیکن اس جوش نقا اور ایسے ذوق و
 مشوق کے لوگ کم نظر آتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے۔ چالیس برس سے متنا ہے کہ

ایک گھڑی کے لیے خدا کو جانوں اور پچاؤن " اسی جوش کو دوسرے الفاظ میں یوں
 آنکھ کا رافراتے ہیں " اس آرزو میں عمر گزر گئی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی خلوت نصیب
 ہو کہ شبلی در میان میں نہ رہے "۔

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابو بکر شبلی سے ملنے کے لیے اُن کے
 گھر پر گیا۔ تو دیکھا کہ بار بار چلتے ہیں اور کہتے ہیں: جس قرب کی عادت ہو اُسے بعد میں
 صبر نہیں آتا۔ اور جسے تیری محبت ہے اُس میں تیرے بھری برداشت نہیں۔ اگر تجھے آگ
 نہ دیکھے تو دل دیکھ رہا ہے۔

جب کوئی فقیر ملے کو آتا تو پوچھتے: تمہارے پاس کچھ خبر یا کچھ پتہ ہے؟ پھر بخون
 مامی کا یہ مشہور شعر پڑھتے۔

اَسْأَلُكَ عَنْ لَيْسَى فَهَلْ مِنْ مَخْصِرٍ يُخَيِّرُ نَاعِلًا بَيْنَ سَكْنٍ وَنَزَلٍ
 لیسے کو پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا سکے
 گھری ہے؟ اس کے بعد آپ ہی فرماتے " قسم ہے تیرے عزت و جلال کی خود تیرے
 سوا دونوں جہان میں کوئی بتانے والا نہیں "۔

سچے خدا طلب اور خدا پرست کی شان بتاتے ہیں کہ اگر میں حق کا پورا پورا
 مرتبہ جان جاتا تو پھر کسی مامی سے نہ ڈرتا اور سچ یہ ہے کہ بچے مودت سناؤ
 آزاد و بیخون شخص دنیا کے پرے پر نہیں ہو سکتا۔ یہی آزادی اور جرأت و شجاعت
 تھی جو توحید نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پیدا کر دی تھی۔ ایک لحد بے دین

۱۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۔ مآثر الجنان یا فنی۔ بیان سلسلہ ۲۔ مطبقات الکبریٰ۔ ۱۲۴۔

۱۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۔ ۱۰۳۔

شخص ہرگز اتنا آزاد و جہی نہیں ہوسکتا جتنا کہ ایک سچا و تہ و خدا پرست ہوتا ہے۔
 جوش توحید سے بیتاب ہوئے کبھی آپکا اٹھا کرتے "بیتاب تک یہ نہ ہو کہ رُسے
 زمین پر خدا کا کوئی اور یاد کرنے والا نہ باقی رہے مجھے چین نہ آئے گا۔" بعض بزرگان
 شوقیہ نے حضرت شبلی کے اس قول کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ "بیتاب تک میں دربار
 شہو میں نہیں پہنچ لیتا مجھے چین نہیں آتا۔ کیونکہ اُس مقام پر نہ کر نہیں ہے۔ لیکن سیدھی
 ساری یہ بات ہے کہ عشق الہی نے ایک جوش رقابت پیدا کر دیا ہے۔ اور ذکر
 الہی کی دھن میں محو ہو جانے کی آرزو لینا کر رہی ہے کہ میں میری ہی آواز میرے
 کان میں آرہی ہوں اور کسی کی نہیں۔ میں ہی ہوں اور سارا حصہ ہستی فنا ہو۔
 درگاہ رب العزت میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ "خداوند! اگر تو آسمان کو میری
 گردن کا طوق۔ زمین کو میرے پاؤں کی پیڑی۔ اور سارے جہان کو میرے خون
 کا پیاسا بنادے تو بھی میں تجھ سے رُود گردان نہ ہوں گا۔" اس کے بعد محویت کے
 مقام پر پہنچ کے فرماتے ہیں "کل کائنات کی یہ ہستی نہیں کہ میرے دل پر گزر سکے۔
 پھر جلا اُس کے دل پر اس کا گزر کیسے ہو سکتا ہے جو حق تعالیٰ کو جانتا ہو۔" سبحانی شہ
 کتنا بڑا دعویٰ ہے اور پھر اُس کے ساتھ کیسا انکسار!

ایک دن نماز عصر میں دیر ہو گئی۔ بیان تک کہ آفتاب اُفق مغرب کے قریب
 پہنچ گیا جب خیال آیا تو فوراً اُٹھ کے نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف ہنستے ہوئے دیکھ کے
 فرمایا "کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔"

فَلَا أَكْزِي عِشَانِي مِنْ عَدَايَ فَيُثِ الثُّيُومُ مِنْ عِشْقِهِ مَلَايَ

آج اپنے عشق کی دھن میں میں نماز پڑھنا بھول گیا۔ تب خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب شام ہوئی اور کب صبح ہوئی۔

ایک دن خلوت گاہ خاص میں تھے کہ کسی لہو واز سے یرشک دئی۔ پوچھا کون؟ "آدرا آئی" ابو بکر (کوئی صاحب ہون کے) فرمایا اس وقت تو اگر ابو بکر صدیق بھی آئیں تو دروازہ نہ کھولن گار۔ جانیے کبھی فرصت نہیں ہے۔

ابو مقاسم مکی کا بیان ہے کہ "میں آیا۔ مرتبہ ابو بکر نبی کی حمایت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ موچ سے بھوؤن کے بال اٹھا رہے ہیں۔ میں نے کہا حضرت اپنے پیالی اٹھا رہے ہیں اور میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا "افسوس کہ حقیقت مجھ پر ظاہر ہو گئی ہے اور میں ضبط و برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں عمداً اپنے جسم میں بے تکو پیہ کرتا ہوں کہ شاید اس الم میں وہ تکلیف بھول جائے۔ مگر کیا کون کہ نہ دروغسوس ہوتا ہے نہ وہ تکلیف جاتی ہے۔ اور نہ اس کے برداشت کرنے کی طاقت ہے۔"

ایک مجلس میں آپ کو بار بار اللہ "اللہ" کہتے سُننے کے ایک درویش بولا "لا الہ الا اللہ کیون نہیں کہتے ہیں؟" یہ سنتے ہی ایک فقرہ مارا۔ اور فرمایا "ڈرتا ہمای کہ ایسا نہ ہوا کہ کون اور دم نکل جائے۔" یہ بے منس اور عاجز کر دینے والا فقرہ اُس صاحبِ دل درویش کے قلب پر اس قدر اثر کر گیا کہ کانپ اٹھا۔ اور اُسی وقت روح پرواز کر گئی۔ اُس کے اعزاء اور رشتہ داروں نے یہ واقعہ سنا تو دعویٰ کیا کہ شبلی نے اُس غریب کو مار ڈالا۔ صرف اس کی شہرت ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ عدالت میں آپ قصاص کا

و دعویٰ دائر کر دیا گیا۔ جواب وہی کے لیے لوگ آپ کو دربار خلافت میں لے گئے۔ چنانچہ
 وضع سے خلیفہ کے سامنے گئے تو اُس نے کہا "تھارے پاس کچھ برائیاں تھیں کہ پہلے کیا
 جواب ہے؟" آپ نے فرمایا "ایک جان بچی شوقِ بقا سے حق تعالیٰ کے جلال
 کی آگ سے مشتعل۔ تمام عیانت سے بُدا۔ انسانی صفات و کمالات سے فنا۔ طاقت سے
 بے طاقت۔ صبریت سے سبر۔ درگاہِ رب العزت کا تقاضا اُس کے دل اور سینے پر
 چھایا ہوا۔ میرا کلام سنتے ہی مشاہدہِ جمال کی ایک بجلی اُس کی جان پر چلی۔ اور اُس کی
 سوختہ عشقِ روحِ قفسِ قالب سے ایک چڑیا کی طرح اڑ گئی۔ شبلی کا اِس میں کیا گناہ؟ یہ
 میرے جلالِ تقریر سے تھیں ہی خلیفہ نے سہم کے کہا "انھیں فوراً ایمان سے ہٹاؤ۔ کیونکہ
 ان پر شعورِ الفاظ سے ایک ایسی کیفیت و حالت میرے دل پر طاری ہے کہ دُعا
 ہوں۔ بدوش نہ ہو جاؤں۔"

ایک صاحبِ دل شخص نے پوچھا "یا حضرہ عظیمین آپ کو اکثر غمگین کیوں
 پاتا ہوں؟ کیا وہ ہر گھڑی آپ کے پاس نہیں موجود ہے؟" جواب میں ارشاد
 فرمایا "اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو میں ہوتا۔ میں تو اُس کی ہستی میں موجود جذب
 ہو گیا ہوں۔"

ایک دن فرمانے لگے "بھلا اُس آفتابوں کے آفتاب کی نسبت کیا کہو گے
 جس کے مقابل ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ذاتِ باری عزائمہ میں اِس طرح موجود
 کا ایک مجزئہ نامو نہ بھی اُس وقت نظر آگیا جب آپ کو لوگوں نے پتھر مارے۔
 پاؤں زخمی ہو گیا۔ اور اُس سے خون بہنے لگا تو خون کا جو چھاپہ زمین پر بہتا اُس سے

کہتے ہیں کہ اللہ کا لفظ بن جاتا۔

آپ کے سچے ذوق و شوق محبت اور فانی اللہ ہونے کے اکثر واقعات دیگر مقامات خصوصاً شاعری اور تعلیم کے مباحث میں بیان کیے جائیں گے۔ سیرت اس بحث کو چھوڑ کے ہم دیگر حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

الہامات صیفیے باطن اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ خیر و عیبت تاثیر

حدیث میں آیا ہے کہ سچے پُر اثر خواب بھی نبوت کا ایک شعبہ ہیں۔ چنانچہ صیفیے باطن اور تزکیہ نفس کا یہ کمال بھی حضرت مخبر صادق روحی خدا کے رشا و فیض بنیاد کے مطابق آپ کو حاصل تھا۔ اگرچہ شیخ ابو بکر ثعلبی کے اس قسم کے خواب و ابتدائی درجہ ولایت باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں مہین کم معلوم ہو سکے۔ کیونکہ آپ کی سیرت لکھنے والوں نے زیادہ تر جستجو صرف اُن حالات کی کی ہے جو ابتدائی نہیں بلکہ کمال ولایت کے زمانے سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہو گا۔ تاہم ویسا یہ خواب کا ایک واقعہ معلوم ہو سکا ہے جو تزکیہ نفس کی تدریجی ترقیوں کا پورا ثبوت دیتا ہے۔ وہ خواب خود آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ ”میں نے دو شخصوں کو دیکھا جنھوں نے بہت سے امور پیش کر کے کہا ”اے شبلی جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے اُس کا شمار غافلون میں ہے“

لیکن اس درجہ سے بہت جلد ترقی کر کے آپ اُس درجہ ولایت کو پہنچ گئے جب کہ یہ ارمی نہی میں نور و عرفان مختلف حالات و کیفیات کو آپ پر منکشف کر دیا

کرتا تھا۔ اور فرشتہ غیب کی صدمے باطن کا نور میں گونج کے اکثر تشبیہ کرنی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بحر معرفت میں غرق ہو کے فرمایا "خداوند تعالیٰ نے مجھ پر طلوع کیا۔ اور ارشاد کیا جو سو گیا غافل ہوا۔ اور جو غافل ہوا حجاب میں ہو گیا۔" ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وضو کر کے مسجد کا ارادہ کیا تھا۔ یکایک گوشِ عبرتِ نبوت میں آواز آئی "اب وضو" اور پھر یہ گستاخی کہ ہمارے گھر کو چلا ہے؟ "سنئے ہی آپ پلٹے۔ اب آواز آئی "ہماری درگاہ سے پھر جاتا ہے؟ بتا، مان جائے گا؟" اب ضبط کی تاب نہ تھی انھوں نے ایک نعرہ مارا۔ آواز آئی "ہم پر طعنہ مارتا ہے؟" گھبرا کر خاموش کھڑے ہو گئے تو ندا آئی "ہاں اصر و تحمل کا دعویٰ ہے؟" آخر آپ سے نہ ہلایا بے تماشا کہ اٹھے استغاثُ بَلْ مَنکَ رفیاد مگر تجھی سے

یہ خود آپ کا ضمیر روشن تھا جو فرشتہ بن کے رہبری کرتا۔ اپنی ثابت قدمی کا آپ ہی امتحان لیتا۔ اور ہر قسم کی لغزشوں سے آپ کو بچاتا تھا۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل نے مجھ سے کہا "تو کنجوس ہے۔" میں نے جواب دیا کہ "نہیں میں کنجوس نہیں۔" دل نے پھر کہا "نہیں تو کنجوس ہے۔" اپنے ضمیر کے دامن سے اس دھتکے مٹانے کے لیے میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب اس کے بعد کچھ خدا مجھے دے گا اُسے جو فقیر سب کے پہلے نظر آئے گا اُس کی نذر کروں گا۔ نیت کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور پچاس دینار (اشرفیان) میری تدرکین۔ میں اُنھیں سارے کے گھر سے نکلا۔ سب کے پہلے ایک اندھا فقیر نظر آیا جو ایک نالی کے ساتھ بیٹھا ہوا سر نہ دار ہوا تھا۔ میں نے فوراً وہ رقم لے جا کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

اور کہا یہ آپ کی نذر ہے۔ اُس نے دیکھ کے کہا ”اچھا تو اس تائی کو دے دو۔“ میں نے
 مستحیر ہو کے کہا ”حضرت یہ دینار (اشرفیان) ہیں۔ اتنا سنا تھا کہ اُس فقیر نے میری
 طرف سر اٹھا کے عجب پر جلال نظر سے دیکھا۔ اور کہا ”ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ
 تم کجخوس ہو؟“ یہ سنتے ہی ظاہر ہے کہ جناب شبلی پر صد اگڑے بڑگئے ہوں گے۔ کہتے
 ہیں کہ ”اب میں نے وہ دینار تائی کی طرف بڑھائے۔“ وہ بولا کہ جس وقت یہ فقیر
 میرے سامنے آ کے بیٹھا ہے میں نے دل میں اللہ جل شانہ سے عہد کیا تھا کہ اس سے
 خطاب نہ کرنے کی کچھ مزدوری نہ لون گا۔ اس لیے میں کچھ نہیں لے سکتا۔“ تب مجبور ہو کے
 میں نے وہ دینار اٹھا لیے۔ اُن سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ لیجا کے انھیں
 دریا میں پھینک دیا۔ اور دل میں کہا ”خدا کو جو منظور تھا کیا۔ اور اسے دینا تجھے
 جس نے دوست رکھا وہ ذلیل ہوا۔“ بعض اہل ظاہر کو اس پر اعتراض ہے کہ خدا
 کی دی ہوئی نعمت کو دریا میں پھینک کے کسی کے کام کا نہ رکھنا نہایت ہی بدنام
 اصراف بلکہ ناشکری ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر شبلی پر یہ اعتراض ہرگز نہیں وارد ہو سکتا
 اب وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مالک ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ نیت کے ساتھ
 ہی وہ اُن کے قبضے سے نکل گئی تھی۔ اور پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب نے
 انھیں اس امر پر آمادہ کر دیا۔

ایک دن چند لڑکوں کو دیکھا کہ ایک اخروٹ پر جھگڑ رہے ہیں۔ انھوں نے
 کہا ”لاؤ میں بانٹ دوں۔“ وہ راضی ہوئے۔ اور انھوں نے توڑا تو وہ اخروٹ اندر سے
 خالی اور بغیر مغز کا نکلا۔ ساتھ ہی عبرت کے کانوں میں غیب کی آواز آئی ”بے بائٹے وہ تو بائٹے“

روشن ضمیر ہی کے اس سچے احساس نے اور غیب کی ان سہ انشوں نے آخر میں
حق و باطل کی ایسی پرکھ پیدا کر دی تھی جسے کراہت اور ترقی عادت کنا چاہیے۔ قرآن
میں کہ ایک مرتبہ میں نے دعا کیا کہ سوا اکل حلال کے کچ نہ کھاؤں گا۔ اتفاقاً
مہرؤن میں پھر ہاتھ اور پاؤں پر کمرہ ہی میں مشغول تھا کہ پاس سے ایک خست نظر آدمی
جو کمرہ میں ہی تھا اسے دیکھ کے اس نے ہاتھ لگا کر اسے بڑھا کر لے آیا کہ اس میں
چھوڑا اور کھانا دیا کہ اس نے اس سے آواز آئی کہ شبلی۔ اپنے عہد کو نہ توڑو
میں اب اسے روک کر رکھتا ہوں۔ اس سے میرا پس نہ ملے گا۔ یہ حد نہ غیب سننے
ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ سب میں بازار میں نہ رہنا ہوں تاکہ
نوکری کی بیٹ بیویوں پر تنید یا شتمی کا لفظ لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ اب اپنی اس پاک نفسی
اور صفائے باطن کو آپ خود بھی بخوبی محسوس کرنے لگے تھے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی نفس
اپنے کماں باطن اور اپنی روحانی ترقیوں پر ناز کرنے لگتا۔ جس لغزش سے بچنے کے لیے
میں حق ملا کر فرماتا ہوں ایک مرتبہ ابلیس نے میرے پاس آ کے کہا "تیرے اوقات کی
صفائے تجھے مغرور نہ بنائے۔ کیونکہ انھیں روشن ضمیر یوں کے نیچے آفتوں کی بارگاہ میں پیش
اسے کہتے ہیں۔" ععد و شود سبب خیر گریہ خواہد۔ اور سچ کہا ہے کہ جن کا نفس
پاک ہوتا ہے نفس امارہ ان کا تابع فرمان ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہی صراط مستقیم
میں رہ رہتا ہے۔

صفائے باطن اور پاکیزہ نفسی کے ان حالات و کیفیات نے آپ کی طہارت میں
ایک عجیب قسم کی روحانی نازک مزاجی پیدا کر دی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ کوئی آدمی اگر

معمولی بات ہو آپ اُس سے سجدہ متاثر ہو جاتے۔ اور راہ چلتے چلتے صحبتوں میں بیٹھے بیٹھے اور بازار والوں کی صدائیں سنتے سنتے جوش میں آکے بیتاب ہو جاتے۔ اور جنوں کی سی حالت طاری ہو جاتی۔ اور سچ پوچھے تو یہی واقعات حضرت ابو بکر شبلی کی خدائشی ولایت کے خصائص ہیں۔ آج کل ہمارے یہاں تعلیم میں ”آجکلٹ“ میں پرست کر دیا جاتا ہے۔ یعنی علم کتاب نہیں بلکہ علم حال پر۔ اس لیے کہ ہر چیز کی حالت و کیفیت کا مشاہدہ و معانیہ کر کے جیسی سچی واقفیت طالب علم کو حاصل ہو سکتی ہے علم کتاب سفینہ سے ممکن نہیں۔ اس طرف حضرت ابو بکر شبلی کا انماک آج سے بہت پیشتر صد سے زیادہ گزرا ہوا تھا۔ آپ زندگی بھر مکتب توحید کے طالب علم رہے۔ ساری دنیا آپ کا کنڈرگار ٹن اور اس گاہ جس میں بغیر کتاب سے مددیہ موجودات عالم کی صورتیں دکھا کے طلبہ کو اُن کے حالات بتائے جاتے ہیں (نقی)۔ اور آپ کی نازک طبیعت عالم ظاہر کی ہر کیفیت کو دیکھ کے اس قدر بیتاب ہو جاتی کہ جذبات روحانی کا جوش ہوتا۔ اور چیخ اُٹھتے۔ آپ کی چیخ اور آپ کا غور مشہور تھا جی کہ مرتضیٰ اور عبقر خلدی اور خواص کے ایسے بزرگان صوفیہ اُس کے معرفت اور آپ کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ آپ کے اُس غور ستانہ کی صدا اشباح باطن کی صحبتوں میں آج تک گونج رہی ہو ابو صا جان فوق اینو باطن کے کانوں سے سُن کے متاثر ہوتے ہیں۔

خیر اب حضرت ابو بکر شبلی کی یتا بیان اور ہر عبرت بخش لفظ یا حالت یا کیفیت پر آپ کی از خود نقلیں ملاحظہ ہوں۔ ایک دن ایک شخص نے آکے پوچھا ”کیون حضرت ایک صابر شخص کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور سخت کون سا صبر ہے؟“ مندر پاپا الصبر فی اللہ (خدا کے حالات میں صبر کرنا) سائل نے کہا ”ایسا نہیں ہے“ فرمایا ”المصبر“

ایک شخص روتا اور حسرت و اندوہ کے ساتھ کہتا جاتا تھا: "آہ منہا فراق الولد" رہائے بیٹے کی
 جدائی کا داغ! اُس کی یہ صدا سنتے ہی حضرت ابو بکر شبلی نے اپنا منہ اور سر پیٹ پیٹ کے
 چلنا شروع کیا "منہ فراق الاحد" رہائے اُس وجہ لاشریک کی جدائی کا داغ!
 ایک مرتبہ کسی کی زبان سے یہ شعر سن پایا۔

اَمَّا نِلْ مَعْنِ سَلَمٰی فَهَلْ مِنْ مَحَبَّرٍ یَکُونُ لَهُ عِلْمٌ کَمَا یَنْ تَنْزِلُ

سلمی کو پوچھتے ہو: بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہوا اور بتائے کہ وہ کہاں جا کر ٹھہری گی؟
 آپ نے سنتے ہی ایک نعرہ مستانہ مارا اور بولے خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی ہنر
 دینے والا نہیں۔ اس شعر کا ہم آپ کی محویت اور ذوق و شوق کے بیان میں بھی ذکر کر چکے
 ہیں۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ وہاں یہ شعر مجنون عامری کا اور اُس میں معشوقہ
 نام لیلیٰ بتایا گیا ہے۔ اور یہاں شاعر کی معشوقہ سلمیٰ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں یہ ہے کہ
 کوئی صاحبِ باطن نے کو آتا تو حضرت ابو بکر شبلی خود ہی یہ شعر پڑھ کے کہا کرتے کہ کوئی بتاؤ
 نہیں۔ اور اس موقع پر یوں ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ شعر سن کے آپ متاثر ہوئے۔
 اور نعرہ مارا۔ وہاں یہ واقعہ امام یاضی کی کتاب مرآۃ الجنان سے لیا گیا تھا۔ اور یہاں
 شیخ شہاب الدین ہمدردی کی عوارف العارف سے۔ ممکن ہے کہ اختلاف روایت
 نے ایک ہی واقعہ کو دو طرح کے لباس پہنا دیے ہوں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ
 دو جدا جدا واقعے ہوں۔

ایک تہ کا ذکر ہے کہ کسی طرف سے فاختہ کو "کو کو آ" کرتے سنا۔ پلک کے
 اس درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور اُس کی "کو کو کا جواب" ہوا "ہوا" دینے لگے۔

ویر تک یہ حالت قائم رہی کہ اُدھر وہ کو کو گاد م بھر رہی ہے اور اُدھر یہ بٹو گاد م بھر رہے ہیں۔ گویا وہ پوچھتی ہے کہ "کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" اور یہ بتاتے ہیں کہ "دوسرا وہ ہے!"

ایک دن مغنی کو گاتے سن کے عین حالت میں بیٹھ رہا کہ زور و شور سے ایک نفرہ ماہر۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بچا۔ اس کے کہ کچھ بیان کر میں مستور شاعر عرب کثیر کا یہ جذب و ذوق عشق میں ڈوبا ہوا شعر پڑھا۔

لَوِیْمَعُوْنَ لَمَا مَعَتْ كَلَامُهَا حَوَّذَ الْعَيْنَ ذُرَّ دَفَّازٍ سَجَبٍ وَدَا
جس طرح میں نے اُس کی باتیں سنی ہیں اگر یہ سب لوگ سن پاتے تو غرور میری معذرتہ کے آگے رُوع و سجدہ میں گر پڑتے۔

ایک دن کسی صاحب ذکر شخص کو "یارب یارب!" کی رٹ لگاتے ہوئے دیکھا تو جوش میں آ کے چلا اٹھے کہ کب تک چپاٹے جائے گا۔ اس کی بھی تو نین جو کہ رہی ہے۔ "عبدی عبدی!" وہ بھی خدا رس اور صاحب ذوق شخص تھا ان کا یہ اعتراض نہ لے بولا اُسکی یہ صدا سن ہی کے تو میں یارب یارب کہہ رہا ہوں یہ جواب شافی سن کے خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا: "آب تو سنبور رہے۔"

ایک مرتبہ مسجد میں اذان دی۔ جب شہادتین پڑھنے تو اُٹھان لا ایلہ الا اللہ کہہ کے کچھ ایسا جوش ہوا کہ فرمایا "اگر تو نے حکم نہ دیا ہوتا تو تیرے نام کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔ یعنی اُٹھان محمد رسول اللہ نہ کہتا۔ یہ ہے سچا جوش تو حید اور یہی شان حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے حج کے وقت نظر آئی تھی جب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا وقت

فرمایا تھا کہ جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلیم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔“

ایک مرتبہ آپ نے کسی جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور بجائے چار کے پانچ تکبیریں کہیں۔ بعد سلام لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اور کہا: ”یہ تو آپ نے نیاذہب ایجاہ کیا ہے۔“ فرمایا چار تکبیریں تو مردے پر تھیں۔ اور پانچویں جہان اور تمام اہل جہان پر۔“ احمد بن حنبل نے کہا کہ میں ماہ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صفت میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلاوت کرتے کرتے آیہ کریمہ **لَکِن شَکَّنا لَکَ فَبَیِّنْ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنا اِلَیْکَ** ”پڑھی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو دلے محمدؐ ہم نے تجھ پر جو وحی بھیجی ہے اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سننے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی اُن کی روح پر داز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ کاہنتے تھے اور بار بار کہتے تھے ”دستون سے یوں خطاب کیا جاتا ہے تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہو گا؟“

ایک دن ایک گیلی لکڑی جلتے دیکھی جس کے دوسرے سرے چرب معمولی کچھ رطوبت ظاہر تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ فوراً جذب و جوش سے ان پرستی کا عالم طاری ہو گیا اور اپنے مریدوں سے مخاطب ہو کے فرمایا ”دعویٰ! اگر یہ دعویٰ ہے کہ تھارے دل آتش عشق سے لبریز ہیں۔ اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تھاری آنکھوں سے آنسو کیون نہیں جاری ہوتے؟“

عبداللہ بن علی نام اُس دور کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک اہل بیت کو

مین اور شبلی ایک صحبت عام میں شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اس لڑکے سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا اور بیٹھے بیٹھے وجد و بخوری کی حالت طاری ہوئی۔ اب اور سب لوگ تو کھڑے ہوئے تھے مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا: ابو بکر یہ کیا کہ تمام اہل محل تو کھڑے ہیں۔ مگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں؟ یہ بات سن کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی اب آپ نے ابو نواس کا شعر پڑھا

لِيُشْكِرَنَّانَ وَلِلَّهِ مَانَ وَاحِدَةٌ شَيْءٌ خُصِّصَتْ بِهِ مِنْ بَيْنِهِمْ وَخُذِي

مجھے دو نقشہ ہیں اور ہم صحبتوں کو ایک اور یہ ایسی بات ہے کہ ان سب میں سے صرف میرے ہی لیے مخصوص ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے بازار میں جا کے ڈیڑھ دانگ کو دو اس حمد کا سب سے کم قیمت سکھ تھا) ایک پُرانی گدڑی مول لی۔ (اور آدھے دانگ کی ایک نوپی لی۔ پھر ان دونوں چیزوں کو پہنا اور بازار میں کھڑے ہو کے آواز لگائی۔ ایک صوفی کو دو دانگ پر کون مول لے گا؟

آپ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن خراسانی سے عجیب حسرت و باس کے لیے مین پوچھا ”بھلا شبلی کے سوا کبھی کسی اور کو بھی شکستہ دیکھا ہے؟“ وہ بھی بڑے پونے ہوئے بزرگ تھے۔ جواب دیا: میں نے تو ایک دن بھی شبلی کو اللہ کہتے نہیں سنا۔ یہ سننا تھا کہ ان کی حالت دگرگون ہو گئی۔ اور عرش کھا کے زمین پر گر پڑے۔

ان حالتوں سے جن کی بدولت انھیں دنیا اور دُنیا داری کی چیزوں سے روز بروز وحشت ہوتی جاتی تھی۔ بعض اوقات متاثر ہو جاتے۔ اور خیال آجاتا کہ

میں دنیا سے کس قدر دوڑتا جاتا ہوں۔ اور کبھی کبھی امرہ بارک کا اٹھنے سے ہارے
 افلاس! اے افلاس! آخر ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ: "ہذا القیاس کیسا؟" فرمایا
 لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے سے۔ لوگوں کے ساتھ مانوس ہونے سے۔ لورن سے ملنے جلنے
 بولنے چاہنے اور ایک دوسرے کے کام آنے سے۔ چنانچہ ان بے تعلقیوں اور دُشست
 زدگیوں نے آپ میں یہ امتیاز بھی نہیں ماتی رکھا تھا کہ کن صحبتوں میں جانا اور کن
 لوگوں سے ملنا چاہیے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ گھر سے نکلے تو لکڑی ان تک غالب ہے
 تنقیدت کیٹوں اور مردوں نے سب جگہ ڈھونڈا اور کہیں نہ پایا۔ آخر بہت سڑنا
 اور جستجو کے بعد آپ ملے تو کمان بیٹوں کے محلے میں حیرت زدہ۔ وہ لوگوں نے
 پہچانے حضرت یہاں کہاں؟" فرمایا: "جو ان لوگوں کی حالت ہے وہی میری حالت
 ہے۔ لیونک، زمین، عورت۔ علیٰ ہذا القیاس میں بھی نہ مرد ہوں نہ عورت۔
 یہ جو شس فانیات ہے، پھر ان لوگوں کی صحبت سے زیادہ مناسب جگہ میرے
 لیے کون ہو سکتی ہے؟"

یہ بات جو شس و مدت کے ہجوم ہی سے نہیں بعض اوقات لوگوں کے غلط
 و عودوں پر بھی بیان میں آجاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی صحبت میں کسی نے آپ کی نقل
 کی ایسی میر طبع آپ، متاثر ہو کے بیچ اٹھا کرتے تھے اس نے بھی ایک ایسا نعرہ مٹا
 دیا کہ محل گونج اٹھی۔ یہ صحبت دریا سے وجہ کے کنارے تھی۔ آپ نے فوراً اٹھا کر
 اسے بلاتامل وجہ میں پھینک دیا۔ اور لوگوں کو اپنے اس فعل پر متحیر بھی تو فرمایا۔
 چاہے تو خدا سے بچا۔ گاجس طرح کہ حضرت مولیٰ علیہ السلام کو ترقی ہونے سے بچایا تھا۔

اور جھوٹا ہے تو خدا فرعون کی طرح اسے بھی غرق کر دے گا۔

آخر الامر آپ کا یہ مبارک جنون توحیدِ حد سے گزرنے لگا چنانچہ ایک دکاندار ہوا
انگارے کے جوش و خروش سے چلے۔ لوگوں نے پوچھا "کمان" "کن" "جاتا ہوں کعبہ
کو جلا کے خاک کر دوں گا۔ تاکہ لوگ گھر کو چھوڑ کے گھر واسے کی طرف توجہ کرین اور دوسرے
دن دیکھنا تو ایک جلتی ہوئی ٹانگی لے لے ہوئے جا رہے ہیں جس کے دونوں سر پر شعل
ہے۔ پوچھا "حضرت کمان کا ارادہ ہے؟" ارشاد ہنس مایا "جاتا ہوں بہشت اور
دو نرخ و دونوں میں آگ لگا دوں گا۔ تاکہ بغیر سوئی اللہ کے لاچ کے لوگ اس بالوغت
کی بندگی و پستش کرین۔"

ان حالتوں کے طاری رہنے اور کیفیاتِ عالم سے عبرت و تنبیہ حاصل کرتے
رہنے کی وجہ سے ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ جو لوگ لکھنے پڑھنے میں زیادہ مہمک
رہتے ان پر بھی کبھی چوٹ کر جاتی۔ چنانچہ حسین بن احمد صفار کا بیان ہے کہ ایک
دن میرے ہاتھ میں دو ات تھی۔ شبلی نے دیکھ کے کہا عَجَبٌ مَوَدَّکَ یُکَفِّی سَوَادُ
قَلْبِی یعنی اپنی اس سیاہی کو سامنے سے ہٹاؤ مجھے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔
اسی طرح اور ایک دفعہ کانکر ہے کہ انھوں نے فرمایا "اِذَا طَارَ إِلَیَّ
بَعْلُی اَوَاقِ بَوْرَہَ عَلَیْہِمْ عَلَیْہِمْ اَلْخَوَاقِ" جب لوگ مجھ سے سلم سفینہ طلب کرتے ہیں تو میں
ان کے سامنے گدڑا ہون کا علم پیش کرنا ہوں۔

ان باتوں کو علماءِ فہار نے بُری نگاہ سے دیکھا۔ اور سخت معترض ہوئے۔

۱۔ بہتاتِ اکبری۔ ۱۴۴۔ سے تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۹۱۔ سے تبیس ابیس۔ ابیس ابیس علی الصوفیہ فی انکار
علی من تشاغل باعلم اللہ عبیدیں ابیس۔ تبیس ابیس علی الصوفیہ فی انکار ہم علی من تشاغل باعلم۔

لیکن سچ یہ ہے کہ شبلی معذور ہیں۔ انھوں نے ابتدائے عمر میں جو کچھ پڑھا تھا اُس سے اب بہت کم تعلق باقی تھا۔ اب جس مدرسہ باطن میں تعلیم ہوئی اُس کا دار و مدار کتابوں اور علم سفینہ پر نہ تھا۔ یہاں انھوں نے ریاضت کے ذریعہ سے دل کو صاف کیا اور کسوٹی و یکدلی پیدا کی۔ استغراق و وجد کی کیفیتیں اپنے اوپر طاری کیں اور ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کر لی کہ سارا عالم اُن کی درسی کتاب تھا۔ جسے وہ بغیر کسی معلم کی مدد کے پڑھتے۔ اُس کے انقلابات و حالات سے عبرت کا سبق لیتے۔ اور فنائیت کے درجے پر پہنچنے کے آپ ہی آپ بھجوسنے لگتے۔ اب وہ کُم خائے وحدت کے پیستون میں تھے۔ اور اُن کی زبان سے جو نکل جاتا گرفت اور اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا چنانچہ شیخ کامل غرقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ابو بکر شبلی وہ ہیں کہ جو مست جیسے اور مست ہی مرے۔ اس لیے کہ میں نے عالم کا شغف میں اُنھیں دیکھا کہ ہوا میں رقص کر رہے ہیں۔

ذوق سخن۔ اور آپ کی شاعری

فی الحال مشرقی شاعری کا زبردست عنصر تصوف ہے۔ عام قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ جو شاعر ہوتا ہے وہ صوفی بھی ہوتا ہے حضرات شیعہ تصوف سے بہت علیحدہ ہیں۔ اور تصوفین کے خیالات و عقائد کی زور و شور کے ساتھ تردید کرتے ہیں مگر شاعری کی دنیا میں آ کے ہم شیعوں کو بھی صوفی پاتے ہیں۔ لیکن اُس ابتدائی دور میں جب کہ حضرت جنید بغدادی تصوف کی اشاعت اور علوم باطن کی تعلیم

دسے رہے تھے شاعری اور تصوف میں اتنا لازم نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ بزرگانِ صوفیہ
 میں سے ہمیں سب سے پہلے شخص حضرت ابو بکر شبلی ہی نظر آئے ہیں جنہوں نے شاعری
 سے اپنی تعلیمات میں کام لیا۔ اور جو اپنے خدا پرستی و خدا شناسی کے جوش و جذبات
 اکثر اوقات اشارے کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نظر
 آتا ہے کہ خدا نے انھیں طبیعت بھی ایسی عطا فرمائی تھی جو شاعری کے لیے نہایت ہی
 موزون و مناسب تھی۔ اُن کے واقعات بتاتے ہیں کہ اگرچہ جذبات و حدت کو
 مست اور دریائے عرفان میں غرق تھے مگر شعر و سخن میں پورا ذوق رکھتے تھے اور
 بات بات پر اُن کی زبان و شعر نکلتے تھے جو کبھی خود اُن کے ہوتے اور کبھی مشہور
 شعراء عرب کے۔

حضرت جنید کو بالذات شاعری سے کچھ زیادہ انس نہ تھا۔ مگر حضرت ابو بکر شبلی
 کا ذوق مدد سے انہی کی طالبِ سلی ہی کے زمانے میں کبھی کبھی خدا شناس شیخ کو بھی
 شعر سے کام لینے پر مجبور کرویتا تھا۔

ہم حضرت جنید بغدادی کے حالات میں بھی بیان کر چکے ہیں اور اس رسالے
 میں بھی "پیر اور مرید" کی بحث میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایک دن مستانہ وضع و حالت
 سے آکے ابو بکر شبلی نے حضرت جنیدؒ کے سامنے تین شعر پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ
 عوۃ و لی الوصال والوصل عذب "اُن کو سن کے باوجود کہ حضرت جنیدؒ کی زبان
 سے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی شعر سُنا جاتا تھا مگر انھوں نے بھی شاکر و اور مرید کے
 جوش سے مجبور ہو کے ایک شعر پڑھ دیا۔

اس موقع کے علاوہ دیگر موقعوں پر آپ وقتاً فوقتاً جو اشعار بہ فیض ترنہاں شہ
 ظاہر فرماتے رنگ اور جوش میں ڈوبے ہوئے کے علاوہ آپ کا اعلیٰ کمال شاعری و سخن بھی
 ثابت کر لیتے ہیں بہر حال اردو ادوار فارسی جانتے والوں کے لیے عربی اشعار بہت غمزدہ
 ہیں۔ اور شاید بعض حضرات اسے نہ پسند کرتے ہوں گے کہ اس رسالے میں آپ کے
 عربی اشعار بھی نقل کر دیے جائیں۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ بغیر ان کے یہ کتاب جو
 آپ کے سوانح عمری کے بیان میں ہے ناممکن اور ناقص رہے گی۔ اور جبکہ ہم شہر
 کے نیچے اُس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں تو پھر کوئی شکایت کا محل نہیں۔ ان اشعار
 سے اگر اردو دان حضرات آپ کے کمال شاعری کو نہ سمجھ سکیں تو آپ کے خیالات
 و جذبات کا تھوڑا بہت اندازہ نہ ور کر سکیں گے۔

تاہم یہی کہتے ہیں کہ شیخ شہ نے مجھے اپنے یہ دو شعر سنائے۔

مَصْنَعَتِ الشَّيْبَةِ وَالْجَبِيَّةِ فَأَنْذِرْ أَسَ دَمْعَانِ فِي الْأَجْفَانِ يَتَرَدَّدَانِ
 جوانی بھی رخصت ہوئی اور نشوونما بھی تو پلکوں میں دو آنسو ایک دوسرے کے
 مبارحت ہوے اور نکلنے کے لیے ہجوم کرنے لگے۔

مَا أَنْصَفَتْنِي الْحَادِثَاتُ مَا صَنِتْنِي بِمُؤَدَّ عَيْنٍ وَلَيْسَ لِي قَلْبَانِ
 حادثات زمانہ نے میرے حق میں انصاف نہیں کیا کہ دو دو کے رخصت کرنے پر
 مجبور کیا جاتا کہ یہ سہ پاس دل ایک ہی ہے دونوں میں۔

بعض لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کو عالم و جد میں دیکھ کر کہ اپنے کچرے بچاؤ
 میں۔ اور رستہ دار یہ اشعار چڑھائے۔

تَفَقُّتْ جَنِبِيَّ عَلَيْكَ شَقًّا وَمَا جَلِبَنِي عَلَيْكَ حَقًّا

میں نے اپنے گریبان کو چھاڑ ڈالا۔ حالانکہ گریبان کا تجھ پر کوئی حق نہ تھا۔ یعنی اُسے کچھ تعلق نہ تھا۔

أَرَدْتُ قَلْبِي فَصَادَفْتُهُ يَدَايَ بِالْجَنَبِ إِدْعَاءً

میں نے تو دل ہی لے لیا وہ سے ہاتھ بڑھایا تھا مگر گریبان نے ہاتھ نہ دیا اور پھٹ گیا۔

لَوْ كَانَ قَلْبِي مَكَانَ جَنِبِيَّ لَكَانَ لِلشَّقِّ مَسْخَفًا

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ یہ دو شعر حضرت ابو بکر شبلی کے ہیں۔ کیا نازک خیالی اور دقیقہ سنجی ہے۔

إِنَّ ضَوْدَ الْحُبِّ مِنْ أَكْمَرِ الشُّوقِ وَخَوْفُ الْفِرَاقِ يُؤْثِرُ عَنَاءًا

عاشق کا عشق کی تکلیف اور فراق کے دھڑکے میں چلا تار بے وفائی ظاہر کرتا ہے۔ صَابِرُ الْعَيَا رِفَاقَاتِ الصَّبْرِ وَصَاحُ الْحُبِّ بِالصَّبْرِ صَبْرًا
صبر پر صبر کہہ (تو اس صبر سے کیا ہوا کہ) خود صبر پناہ مانگنے لگا۔ اور عاشق نے صبر سے ڈانٹ کے کہا کہ صبر کر۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صحبت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذکر و رویت باری کے نازک مسائل باطن کو کس خوبی و وضاحت سے بتایا ہے۔ اور کتنی اچھی تسلیم ہے۔

ذَكَرْتُكَ لَا أَتَى نَيْتِكَ لَحْظَةً وَائِسَرُمَا فِي الذِّكْرِ ذِكْرُ لِسَانِي

میں نے تجھے یاد کیا اس طرح نہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی بھولا ہوں اور یاد کرنے میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی زبان سے یاد کروں۔

وَكُنْتُ بِلَا وَجْدٍ أَمُوتُ مِنَ الْهَوَىٰ وَهَامَ عَلَى الْقَلْبِ بِالْخَفَقَانِ
اگر عالم وجد نہ طاری ہوتا تو میں عشق میں مر جاتا مگر دل نے مجھ میں جوش عشق کا خفقان پیدا کر دیا۔

فَلَمَّا أُرَانِي الْوَجْدَ أَنْتَ حَاضِرٌ شَهِدْتُكَ مَوْجُودًا بِكُلِّ مَكَامٍ
پھر جب وجد نے مجھے دکھایا کہ تو میرے سامنے موجود ہے اُس وقت تو مجھے ہر جگہ موجود نظر آتا۔

فَخَالَيْتُ مَوْجُودًا بِنَظَرٍ تَكْثِيرٌ وَلَا حَظْتُ مَعْلُومًا بِنَظَرٍ حَيَانٍ
اور میں نے اُس موجود (مطلق) سے خطاب کیا بغیر اس کے کہ گفتگو ہو۔ اور اُس معلوم (مطلق) کو دیکھا بغیر اس کے کہ وہ سانسے ہو۔

ابو بکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابو الحسن تمیمی حضرت ابو بکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آ آ کے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں
عَلَى بُعْدِكَ لَا يَصْنَعُ مَنْ حَادَثَهُ الْقَدْرُ
تیرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا جسے پاس رہنے (وصل) کی حادثہ پڑی ہوئی ہے۔

وَالْأَهْوَى عَلَى هَجْرِكَ مَنْ شِئْتَهُ الْخُبْرُ
اور ہجر کے برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا جسے محبت ذلیل و خوار کر دیا ہو۔

فَإِنْ لَمْ تَرَكَ الْعَيْنُ فَقَدْ يَفْقَرُكَ الْقَلْبُ

تو اگر تجھے آنکھ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے۔

یہ دونوں شعر بھی آپ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

سَمِعْتُ مَنْ ذَكَرَ نَيْفًا فَهُوَ مُسَرَّمٌ وَأَفْلَيْتُنِي عَنِّي فَعَدَّ رُبِّي حُبًّا

میرا وقت تیری ذات میں پہنچ کے ابدی ہو گیا۔ اندازہ سمجھ رہی ہے۔ اور

تو نے مجھے خود اپنے سے فنا کر دیا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی مجھ پر ہو گیا۔

كُنْتُ رَجُلًا أَمْرِي نَاقُصَةٌ تَعْتَرِبُنِي فَصِغْتُ عَرِيًّا فِي الْبُؤْسَةِ أَوْ جَلَا

میرا معاملہ نئی قسم کا ہو گیا تو میں اپنی عزت (ندرت) کے محال سے یکساں ہو گیا۔

اور صحرائیں عزیز و خائف ہو گئیں۔

اکثر آپ کہا کرتے "خداوند اکاش یہ معلوم ہوتا کہ تیرے نزدیک میرا کیا نام

ہے۔ میرے ساتھ تو کیا کرنے والا ہے؟ اور میرے عمل کا خاتمہ کس چیز پر کرے گا؟"

پھر یہ اشارہ پڑھتے۔

لَيْتَ شَعْرًا كَيْفَ ذَكَرُوا عَنْكَ مَنْ يَعْلَمُ سِرُّكَ

مجھے کاش معلوم ہوتا کہ وہ جو میرے بھیدوں کو جانتا ہے اُس کے وہاں میرا

کس طرح ذکر آتا ہے۔

أَمْ حَبِيبٌ أَمْ قَبِيحٌ أَمْ حَيْنِيئًا مَرِيئًا

اچھا یا بُرا۔ بھلائی سے یا بُرائی سے۔

لَيْتَ شَعْرًا كَيْفَ حَالِي بِعَيْنِي أَمْ يَكْفِي

عہ ابن خنکان - ۲۲۵ - عہ عوارث - ۱۰۶ -

کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ موت کے دن اور قیامت کے دن؟

لَيْتَ شَعْرِي كَيْفَ مَوْقِي . يَفِيئِينَ أَمْ رِيضِي

کاش معلوم ہوتا کہ میری موت کیسی ہوگی یقیناً (ایمان آ پڑے افریقہ)۔

أَوَلَيْتَ يُقْبَلُ مَقْوَنِي . أَمْ تَرَى بُشْرِي صَدْرِي

کیا تمھاری رائے ہے کہ میرے کہنے کو وہ قبول کرے گا؟ کیا تمھارا یہ خیال ہے

کہ میرے سینے کو وہ قبول کرے گا؟

لَيْتَ شَعْرِي كَيْفَ امْضِي . يَغِيئُوا وَجْهِي

کاش میں جانتا ہوتا کہ کہاں جاؤں گا۔ حجت میں یا دولت میں؟

فَاَنَا اَعْرِفُ قَدْ رَمِي

تو تم میری تعریف اور ثناء و مفت چھوڑ دو کیونکہ اپنی قدر میں ہی خوب جانتا ہوں۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن ابی ثعلبہ بن جحر سے کہتے تھے کہ ابوبکر بن

میربہ سامنے کسی شخص نے شیخ ابو بکر شبلی سے پوچھا کہ اس شخص کی نسبت آپ کیا کہیں

کہ کسی کلام کا طلب تو نہیں سمجھا مگر سن کے اس شخص کو حال آگیا۔ اور یہ سمجھے اس پر

وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے جواب میں شبلی نے یہ اشعار پڑھے جو مشہور عاشق

عرب مجنون سامری کے ہیں۔

رَبِّهِ وَرَقًا هَتَوِي بَا اَصْحِي . ذَاتِ شَجْوٍ صَدَحَتْ فِي فَنِّي

ایک کبوتری جو کچھ دن چڑھ بول رہی ہے اس کی آواز میں درد ہے اور تون میں

سے آواز دیتی ہے۔

ذَكَرْتُ الْفَاوْكَ مُرَّاسًا لَهَا فَبَكَتْ حُرْنًا لَهَا جَسَدُ حُرْنِي

اُس نے کسی محبت اور کسی اگلے زمانے کو یاد کیا تو غم سے روئی اور میرے
غم کو حرکت دے دی۔

وَلَمَّا كَانِي سَرَّجًا أَسْرَقَهَا وَبَكَتْ لَهَا سَرَّجًا أَسْرَقَهَا

نومیر سے رونے نے کبھی اُس کا دل رقیق کر دیا۔ اور اُس کے رونے نے
میں پر دل مستقیم کر دیا۔

وَلَمَّا كَانِي سَرَّجًا أَسْرَقَهَا وَبَكَتْ لَهَا سَرَّجًا أَسْرَقَهَا

وہ شکایت کرتی ہے اور میں اُسکی زبان نہیں سمجھتا اور میں شکایت کرتا ہوں
اور وہ میری زبان نہیں سمجھتی۔

عَلِمْتُ أَنَّ الْجَوْفَ أَحْسَرَ مِنْهَا وَهِيَ الْفَصْلُ الْجَوْفُ أَحْسَرَ مِنْهَا

میں اس کے کہ سوزش عشق سے میں اُسے پہچانتا ہوں اور اُس سوزش عشق
سے وہ بھی مجھے پہچانتی ہے۔

یہ دونوں شعر بھی حضرت ابوبکر شبلی کی زبان سے گئے۔ اور غائبانہ نہیں کہیں

يَا أَيُّهَا الْبَشِيرُ الْكَرِيمُ حُبُّكَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَمَقْبَلِهِ

اے سرورِ اکرم۔ تیری محبت میرے سینے کے اندر چھری ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّوْمُ عَلَى حَبْلِكَ أَنْتَ بَيْنَ مَنَابِئِ عَالِيَةِ

اے مہر۔ بلکوں سے نیند غائب کرنے والے۔ مجھ پر جو کچھ گزری اُسے

تو جانتا ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حق کو مجاہدات کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا وہ مقصد سے دور ہے۔ اور جس نے اُسے اُسی کے ذریعے سے طلب کیا ہے وہ مل گیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ دو شعر پڑھ دیتے۔

أَيُّهَا النَّيْكَ الْثَرِيَّا سَهْلًا عَمَّرَكَ اللَّهُ كَيْفَ يَحْمِلُ حَانَ

اسے ثریا (ایک مشہور خاتون ثریا بنت علی بن عبد اللہ بن الحارث) کا نکاح سہل (سہل بن عبد الرحمن بن عوف زہری) کے ساتھ کرانے والے خلیفہ بڑی عمر کرے کیونکہ یہ دونوں جمع ہوں گے۔

هِيَ شَامِيَةٌ إِذَا مَا اسْتَهْلَتْ وَسُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَهْلَ يَمَانِي

یہ (ثریا) جب طلوع کرے تو شامیہ ہوتی ہے۔ اور سہیل جب طالع ہوتا ہے یامانی ہوتا ہے۔

یہ مشہور شاعر عمر دین ربیعہ مخزومی کے اشعار ہیں وہ ثریا اور سہیل (ذکرین) کا عقد ہونے کی تعریف کرتا ہے۔ اور اُن دونوں کو آسمان کے ثریا و سہیل سے تعبیر کر کے کہتا ہے کہ قاضی صاحب آپ نے یہ کیا معجزہ دکھا دیا کہ ثریا اور سہیل کا قرآن پیدا کر دیا حالانکہ ثریا دستارہ ہشام کی طرف طلوع کرتا ہے اور سہیل یمن میں۔

ایک شخص نے حضرت شبلی کے حلقہ ذوق میں شریک ہو کے اور سامنے مودت کھڑے ہو کے پوچھا "حضرت آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ صحت و جود کے آثار صاحبان و جہ پر ظاہر ہوں؟" فرمایا "ہاں۔ ایک نور نمایان ہوتا ہے جسکی حالت آتش

شوق سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اور انسانی ہیکلون (جسموں) پر اس کے آثار چکنے لگتے ہیں۔ جیسے کہ ابن المعتز نے کہا ہے۔

وَأَمَطَ الْكَاسُ مَاءَ مَنْ أَبَارِقَهَا فَأَبْدَتْ الرُّمَّ فِي أَرْضِ مَرْيَمَ الْهَبِ

جام میں سرایون سے ایک مینہ برسا جس نے سونے کی زمین (سطح جام)

میں موتی اُگا دیے۔

وَبَنَى الْقَوْمَ لَمَّانًا كَرَاءً وَاجْتَبَا قُورَاقِمَ الْمَاءِ فِي نَارِ مَنْ الْعَبِ

اور لوگوں نے جب پانی کا ایک نور انگوڑی آگ میں جھکتے دیکھا تو تعجب

ہوئے کہ سبحان اللہ! اٹھے۔

سَلَاةٌ وَرَشَقَاعٌ قَرَنَ رَسْمَ كَانَتْ ذَخِيرَةٌ كُشْرَى عَنْ نَابِ قَابِ

آپ انگوڑی کے قوم عاد و اے باغ ارم سے وارث ہوئے ہیں اور جو کرمی

کے وہاں آیا و اجداد سے امانت چاہا آتا تھا۔

ایک دن نماز عصر پڑھنا بھول گئے۔ اور وقت آخر ہو گیا۔ جیسے ہی خیال

آیا اٹھ کے نماز پڑھی اور سنس کے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

سَرَيْتُ الْيَوْمَ مِنْ عَشِقَةٍ صَلَاحِي فَلَا أَذْهَبُ عِشَارِي مِنْ غَدَاةِ

اپنے عشق کی دُھن میں آج میں نمازی بھول گیا۔ اب تو مجھے صبح و شام کافرق

بھی نہیں معلوم ہوتا۔

ایک مرتبہ کسی نے حاضر خدمت ہو کے عرض کیا کہ میرے حق میں دعا فرماؤ

جواب میں یہ شعر پڑھ دیا۔

مَقْصِدُ مَنْ دَانَ يَسْتَفْعُونَ بَنِي قَعْلٍ لِيَذِلَّ الْعَنَاءُ ذَلِيلٌ

وہ زندہ نہ لے گا، کیا حبیب لوگ مجھ سے سفارشیں اٹھوایا کرتے تھے۔ اب تو کوئی ایسا نہیں ہے جو کل لیلیٰ کے پاس جا کے میری سفارش کر دے؟

ایک مرتبہ عالم وجد و حال میں ابو نواس کا یہ شعر پڑھا تھا جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور اب یہ اس کا اعادہ کرتے ہیں۔

بَلَى لَكُمْ مَوَانٍ وَلِلنَّدَى مَوَانٍ وَاحِدٌ شَوْعٌ خَصَصْتُ مِنْ بَيْنِهِمْ وَاحِدٌ

جیسے دو نشہ ہیں اور حریفان صحبت کو صرف ایک یہ ایک ایسی چیز ہے جسے ایسے آن میں سے ایک امین ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

لوگوں نے کسی موقع پر کہا کہ آپ مونٹے تازے نظر آتے ہیں۔ لیکن جس بہت کچھ آپ کو دعوئی ہے اس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ ڈبے ہوتے۔ فرمایا۔

أَسْعَى فَرَاكَادُورَ فَا بَدَلْتَنِي وَكُلُّ أَدْرَسِي مَا أَقَامَ فِي النَّعْمِ

میرا دل محبت میں مبتلا ہوا۔ اور بدن کو خبر نہ ہوئی۔ اور اگر خبر ہوتی تو مٹا دیتا۔ اب اسے یہ بیان ہے کہ جس رات حسرت ابو بکر شبلی کا انتقال ہوا ہے ہماری راستہ میں اس شعر پڑھتے رہے۔

كَلَّ يَدِي بِأَمْسٍ سَاكِنَةٍ غَيْرُ مُتَحَاجٍ إِلَى السُّرُجِ

ہر حال میں کارہننے والا تو ہو اس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَجُفَاءَ الْعَامُولِ مُحْجَسَتَنَا يَوْمَ يَأْتِي النَّاسَ بِالْحُجَّةِ

تیرا چہرہ؟ لوگوں کی امید گاہ ہے ہماری دلیل ہو گا جس دن کہ لوگ اپنی

اپنی دیکھیں تاکہ پیش کریں گے یہی خیال فارسی میں سنائی دیا گیا ہو۔
 روزِ قیامت ہر کسے در دست گیر نامہ! من نیز حاضر ہے مٹوم تصویر جانان در لعل
 آخر عمر میں اکثر شعر بھی آپ کی زبان فیض ترچہاں پر جاری رہتا تھا۔
 وَكَمْ مِنْ مُفْضِعٍ لَوْهٍ مُنْتَفِئٍ لَكُنْتُ بِهِ كَالْإِنْعَامِ شَذِيذٍ
 اور کتنی جگہیں ہیں کہ اگر میں اُن میں مرجاؤں تو وہاں والوں کے حق
 میں ایک عذاب ہو جاؤں۔

جبکہ غ کا عام طاری تھا لوگوں نے کہا کیسے لا الہ الا اللہ فرمایا۔
 قَالَ سُلْطَانُ حَبِشَہِ اَنَا لَا اُقْبِلُ اِلَیْکَ اَوْ تَا
 اُس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ میں رشوت نہیں قبول کرتا تو اُس کے
 حق کا واسطہ دلا کہ اُس سے پہلے کہ پیر میرے محل کے ہارون کیون لوگوں کے کہنے
 میں آگیا۔

شاید تتبع اور جستجو سے آپ کے اور اشعار یا آپ کے مذاق شعر خوانی کے
 اور ملنے نظر آجائیں مگر اس قدر بہت کافی ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ
 آپ کا مذاق شاعرانہ کس قدر نکھر اور لطیف تھا۔ اور کیسے صریح محل پر
 آپ اشعار کو کام میں لاتے تھے۔ کیا عجب کہ تصوف میں شاعری کی چاشنی مینا
 اور شاعری کو تصوف کا طعم شامانہ چھادینا آپ ہی کا ایسا دھندہ۔ لیکن ایسا دھندہ
 کرنے کے لیے ابھی ہم تیار نہیں ہیں۔

آپ کے سفر

امام ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی ساتین حد کا نہ رہی ہیں۔ انہیں سے بعض بزرگ اول سے آخر تک مقیم ہی رہے۔ اور اپنے کچھ منزلت کو چھوڑ کے منزل سفر میں کبھی قدم نہ رکھا۔ جیسے حضرات جنید بغدادی۔ سیاح بن عبد اللہ۔ بکر بن شبلہ اور ابو جعفر حداد وغیرہم۔ جنہوں نے سفر اختیار کیا۔ ساری زندگی غریب الوطنی کی تذر کر دی اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی سیاحت ہی میں تھے۔ جیسے ابو عبد اللہ مغربی۔ ابراہیم بن ادہم وغیرہما۔ بہتوں کی یہ حالت رہی کہ ابتداً احوال میں مشغول سیارت ہوئے۔ بہت سے سفر کیے۔ اور اُس کے بعد ایک جگہ پاؤں توڑ کے بیٹھ گئے۔ بیت ابوشیمان حبرہ۔ اور ابوبکر شبلہ وغیرہما۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ ابوبکر شبلہ کی زندگی ابتداً سفر میں گزری۔ اور آخر میں قامت گزین ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی سیرت کتبہ الوان نے آپ کے حالات سفر بیان کرنے میں نہایت بے پروائی اور کوتاہی سے کام لیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے ایک ہی نہیں، متعدد سفر کیے ہوں گے۔ لیکن کتب سیرت آپ کا ایک دفعہ بن کر نا بھی نہیں ثابت ہوتا۔ ہاں خاصاً راستہ کی ایک مشہور کتاب میں البتہ آپ کے حالات زندگی کے تذکرہ ہے۔ مگر یہ کہ اس کتاب میں نہایت لے گئے دور سے جیسے ہی مکہ منظم کی عمارت نظر آئی ذرا شوق کا ایسا بیان ہے کہ غشٹھا کے گریڑے۔ اور جب متن کیا

تو زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

مَا بَقَاءُ الدُّنْيَا مَوْجٌ فِي الْأَمَانَةِ
وَإِنَّهُمْ وَارِثُهَا وَأَنْتَ مُحِبٌّ

ترجمہ اُن کا مکان ہوا اور تو عاشق ہے۔ پھر یہ آنسوؤں کا آنکھوں میں باقی رہنا کیسا
ہمارے سابقہ بیانوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ تصوف کے مددگار حانی میں آنسو
سے پہلے آپ بناؤ نہ کہ الہی اور حاکم تھے۔ لہذا اُس زمانے کو بھی سفر کا زمانہ خیال کرنا
چاہیے۔ کیونکہ وطن سرزمینِ راسی تھا جہاں امتِ علاقہ بیل کی۔ مگر اُس سفر اُس قسم کی
عزیمِ وطنی سے نوعی علاقہ نہیں جو قبولِ علاقہ قشیری کے اہلِ باطن کی ریاضت
و۔ ایک قسم کی شانِ ولایت ہے۔

ہاں اُس کے چند روز بعد جب آپ غرتِ جنبہ کی خانقاہ فیض میں پہنچے
اور آنکھوں نے فرمایا کہ تم ایک صریح کے حاکم رہے ہو اور خدا کی مخلوق کا ایک
بیرخصہ تمہارے زیرِ دست رہ چکا ہے پہلے وہاں جا کے ہر اُس شخص سے جو تمہارے
زیرِ حکومت رہا ہو معافی چاہو اور حقِ العباد سے سبکداری حاصل کرو اس وقت
آپ کا پہلا سفر ولایتِ شریعت ہوا۔ افسوس کہ جن آپ کے اس سفر کے بھی تفصیلی سالا
نہیں معلوم لیکن خیال سے مدد لی جائے تو نظر آجاتا ہے کہ آپ کس طرح گاؤں
گاؤں پھرے ہوں گے۔ ایک ایک دروازے پر گئے ہوں گے اور انہیں
لوگوں کے سامنے جو کل تک حلقہ بگوشِ امامت تھے سرخیز کیا ہو گا۔ اور علاج
عمو تقصیر کی خواہش کی ہوگی جنھوں نے اپنا کچھ حق بتایا ہو گا اُن کا حق ادا کر لینی
کوشش کی ہوگی اور چنہ وزمین سبکداری ہو کے دل پر سے حقِ العباد کا بار

اتار کے بلکے پھلکے ملٹن اور شگفتہ خاطر حضرت شیخ کی خدمت میں واپس آئے ہوئے
 لیکن اسی سفر کا خاتمہ نہیں ہوا تھا کیونکہ سرکش نفس کا سرور توڑنے کے لیے
 رہا شیخ سے اور ریاضتیں بھی بنائی گئی تھیں۔ جن میں سے دو مال گدائی و
 ریوزہ لری کرنا تھا۔ اس زمانے کو بھی سفر ہی میں شامل سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ کسی
 جگہ قیام کیا اور شب و روز پھرتے اور ادھر ادھر گشت کرتے ہی گئے۔ سامیہ
 آپ کے یہ سفر ہیں جن کی بنا پر اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ کا ابتدائی زمانہ سفر میں ہی ہوا
 آپ کی زندگی میں دو ایک واقعات اور بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جن سے
 ضمنی طور پر یہ کہ سفر اور بادیہ گردی و دشت نوردی کا بڑا گنبد ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بائیسرب میں آپ دشت نوردی رہا پہلے تو
 ایک قبرستان پر گزر ہوا۔ جہاں دیکھا کہ ایک شخص روٹا ہوا بار بار اے اے کی سرت سر
 اٹھا کر کہتا ہے پھر زمین پر گال گرتا ہے اور سچ و تھلیل میں مشغول ہے۔ دل میں
 آئی کہ اس سے جل کے ملنا چاہیے۔ چنانچہ راستہ میں ٹوکے اکی طرف۔ پہلے اُس نے بو
 نہ دیا تو اٹھ کے آگے روانہ ہوا۔ آپ نے قدم تیز کیے تو وہ رو سے چھاؤں لگا۔
 آخر آپ نے تنگ آکے آواز دی کہ اے ولی اللہ! یہ ٹھہرے! اُس نے دور ہی سے
 جواب دیا کہ میں آپ نے قسم لائی۔ لیکن اُس نے اب بھی نہ مانا۔ سب آپ نے کہا اچھا
 اے بارے میں نے تو اپنی سچائی کا ثبوت دو۔ یہ سُننے ہی اُس نے تین بار اللہ اللہ
 اللہ کا غر بن کر اور دھم سے گر پڑا۔ قریب جا کے دیکھا تو حق بچان تھا اور وہ ح
 منہ آئے۔ ٹھکی تھی۔ اب آپ کو فکر ہوئی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی تمجید و تہنیت
 رہا ہے۔ اُس قبرستان سے نکل کے ایک نفیدہ عرب کے پڑاؤ میں قنبر ہوا۔

ان سے اس فرض کفائی کے متعلق مدد حاصل کی۔ اور واپس آئے۔ لیکن یہاں تک
 جو دیکھتے ہیں تو لاش غائب ہے۔ متحیر و پریشان کھڑے تھے کہ مہم غیبی نے آواز دی "ملاؤ
 اُسکی تجھیز و تکفین کر دو"۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جا کے عبادت کر۔
 صدقہ و خیرات دے اور اپنے کام سے لگ۔ کیونکہ انھیں احوال کی بدولت اس
 وجہم شخص نے یہ مرتبہ پایا۔ اب آپ زیادہ حیران ہوئے کہ "یہ کون شخص تھا؟"
 اور اُس کے کیا حالات تھے۔ چنانچہ ان سوالات کو یاد از بند اُس منادی غیبی
 کے سامنے پیش کیا۔ جواب ملا کہ "یہ شخص ابتدائے عمر میں نہایت ہی گنہگار نہایت
 تھا۔ فسق و فجور اور زنا میں مبتلا تھا۔ لیکن بارہ برس کا زمانہ گزرا کہ ایک خوب
 سے متنبہ ہو کے توبہ کی اور متقی و پرہیزگار بن گیا۔ کل کے دن اتفاقاً ایک سائل نے
 اس سے سوال کیا۔ جسے اس نے اپنے کپڑے اتار دیے۔ سائل نے خوش ہو کر
 وعدہ دی کہ خدا تیری مغفرت کرے۔ وہ دُعا خدا نے قبول کر لی اور اسے یہ رُتبہ
 عطا ہوا کہ فرشتوں نے تجھیز و تکفین کی۔"

اسی طرح کا ایک وہ واقعہ سفر بھی ہے جسے ہم بیان کر آئے ہیں کہ اکل
 حلال کھانے کا عہد کیا تھا۔ جگل بیابان میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور
 بھوک لگی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ ہاتھ بڑھایا کہ کچھ پھل
 توڑ کے کھائیں کہ خود اُس درخت نے آواز دی "اپنے عہد کو نہ توڑو۔ اور میرے
 پھل کھانسنے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔"
 ادب کی بعض کتابوں میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی ہی کی زبانی ایک بڑا

ملوانی قہر بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کے دوا و سرمدون کا پتہ چلتا ہے۔
 اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالسلام بغداد میں ابو عبد اللہ اندلسی نام
 ایک بڑے صاحب علم و فضل دینی الشہ تھے۔ جو قرآن مجید کی تمام قرأتوں سرفہ
 اور ۳ ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ وہ ایک مرتہ متعقدین اور اہل باطن احباب
 کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر کو نکلے۔ ہمراہیوں میں چند تبعداوی اور
 شیخ ابو بکر شبلی بھی تھے۔ ارض شام کے ایک گاؤں میں پہنچ کے انھوں نے
 مسیحیوں کی صنم پرستی دیکھی۔ اور انھیں ذلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی اثنائیں کہ
 انہیں پریشانی فریاد کی۔ میں ہمالیہ کی پروردگار کے واسطے نظر پڑی اور سابق
 اہل گئے۔ کل ہمراہیوں کو چھوڑ کے اس کو واپس کر کے شادی کا پیام دیا۔
 جواب ملا کہ بس اس تازمین کی آرزو ہو دین مسیحی اختیار کرے۔ گرجان کی
 خدمت کرے۔ اور سوچرائے ابو عبد اللہ موصوف نے سب شرطیں منظور
 کر لیں۔ اور عیسائی ہو کے سوچرائے لگے۔

ایک زمانے کے بعد شیخ ابو بکر شبلی شیخ موصوف کے چند مریدوں کے ساتھ
 پھر اس گاؤں میں پہنچے اور انھیں اس باقرہ حالت میں پایا کہ دین سے
 منہ نہیں۔ قرآن وحدیث بھول گئے۔ علم و فضل رخصت ہو گیا۔ اور عیسائیوں
 کی ٹوپی پہنے ہوئے سوچرا رہے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو
 ضلالت و گمراہی میں۔ حجت الہی سے دور۔ کفر و شرک میں مبتلا۔ اور عبرت
 روزگار باد رکرتے ہیں۔ ان سب لوگوں نے داپسی کی درخواست کی تو انھوں نے
 کہا "خدا کو جو کچھ منظور ہے وہی ہو گا۔ تم اس میں دخل نہ دو" اور اپنی حالت برقرار رکھی۔

حضرت ابو بکر شبلی مع اپنے ہمراہیوں کے واپس روانہ ہوئے تو شیخ ابو عبد اللہ
 اُمّی نے درگاہ باری تعالیٰ میں دعا کی جو قبول ہوئی۔ اور نور ایمان سینہ میں
 چمکا۔ آگے تیس دن حضرت ابو بکر شبلی سے مل گئے غسل کر کے پاک پڑے۔ پتہ
 عبادت کی راہ اور پھر ان میں وہی اگلا سا علم و فضل اور زہد و تقویٰ موجود تھا۔
 انھوں نے بیان کیا کہ مسیحیوں کی صنم پرستی دیکھنے کے میرے دل میں غرور اور
 خود پرستی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اُسی کی جگہ یہ سنا لی کہ انھیں کچھ فتنہ میں مبتلا کیا گیا
 اس کے بعد وہ بغداد میں واپس آئے اپنی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ اور پھر وہی
 ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کی صحبتیں قائم ہو گئیں۔

ان کو واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک دن کسی نے دروازے
 پر دستک دی حضرت ابو بکر شبلی نے جو اُس وقت صحبت میں موجود تھے دروازہ
 کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت سیاہ چادر میں لپیٹی ہوئی کھڑی ہے اور کہتی ہے کہ
 شیخ سے کہو جس کی کو آپ فلاں گاؤں میں چھوڑ آئے تھے حاضر ہو اُس کے آنے کا
 علیٰ سُن کے شیخ ابو عبد اللہ اُمّی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ بوا کے حال پوچھا تو سُننے
 کہا کہ آپ کے چلے آنے کے بعد میری بیٹی اور اُلجھن بڑھی۔ ایک محترم پیر مرد نے
 خواب میں آگے ہدایت کی کہ تو شیخ ابو عبد اللہ کی پیروی کر اور مسلمان ہو با چنانچہ
 میں اُن کی تلقین سے مسلمان ہوئی۔ پھر انھوں نے میری آنکھیں بند کرائیں۔
 اور ہاتھ پکڑ کے دو قدم چلے۔ تھوڑی دیر میں انھوں نے مجھے میانِ جلد کے کنارے
 لائے کھڑا کر دیا۔ اور اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے شیخ کی خانقاہ ہے۔ اور تم
 جانا تو کہنا کہ حضرت نے آپ کو سلام کہا ہے۔ یہ سُن کے شیخ نے اُسے رہنے کو ایک

مجرہ دیا۔ مگر پہلی دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر کبھی اُس سے نہ ملتے تھے۔ اور وہ شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بڑی مشہور عابدہ زمانہ ہو گئی۔

تھوڑے زمانے کے بعد وہ بیمار پڑی۔ اور مرض بڑھتا ہی گیا۔ جب زندگی سے مایوس ہوئی تو شیخ کے پاس کہلا بھیجا قبل اس کے کہ مین دنیا سے رخصت ہوں ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھا جائے شیخ ابو عبد اللہ گئے۔ اُسے روتے دیکھ کے دل دب ہی کی۔ اور فرمایا کہ کل یوم القرار میں ہمارا ہمارا ساتھ ہوگا گھبراؤ نہیں۔ اس کے بعد وہ مر گئی۔ کچھ دنوں بعد شیخ نے بھی مرض موت میں مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور شیخ ابو بکر شبلی نے خواب میں دیکھا کہ بارگاہ صدی سے انھیں شجرہ رین عطا ہوئی ہیں۔ اور سب سے پہلے اُن کا عقد اسی رومیہ لڑکی کے ساتھ ہوا ہے۔

بس اس کے بوا آپ کے سفر کا اور کوئی واقعہ ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔

سماع اور صحبتِ حال و قال

حضرت جنید بغدادی کی طرح آپ بھی باوجود غریق بحر معرفت ہونے اور خود رفتگی کی متانہ شان رکھنے کے سماع کی نسبت ہی رائے رکھتے تھے کہ نہایت ہی نازک اور خطرناک چیز ہے ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ ”یا حضرت سماع کی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟“ فرمایا ”اُس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ لہذا

جسے اشارات یعنی رموز باطن میں پوری معرفت حاصل ہو وہی اُس کے ذہن سے
عجبت حاصل کرنے کا مجاز ہے ورنہ فتنہ میں پڑ جائے گا۔

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی رائے میں سماع مخصوص انہیں لوگوں
کے لیے ہے جو اُس کے اہل ہوں۔ اُس کی عام تھیلین گرم کر دینا۔ اور یہ کہ مد کے
بے نعمت و مہر و دکا و ازہ کھول دینا ہرگز جائز نہیں۔ علی الخصوص جب یہ بھی ثابت
نہیں ہو سکتا کہ حضرت جنید و شبلی کے عہد میں جہنم کے تارغ کو اہل ذوق نے اپنے لیے
جائز کیا تھا اُس میں مزامیر اور آلات طرب بھی تھے یا صرف خوش گھوٹی کے ساتھ
شعر خوانی تھی۔

آپ کے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ بعض لوگ گانا سنتے ہیں۔ اور اگرچہ اشعار
کا مطلب نہیں سمجھتے مگر حال آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نسبت آپ کیا ارشاد فرماتے
ہیں؟ جواب میں آپ نے مجنون عامری کے پاس شعر پڑھو جو ذوق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ او
اُن سے اس اعتراض کا جواب شافی بھی ایسی خوبصورتی سے مل جاتا ہے کہ
اس سے اچھا عنوان جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذبت و رقاء ھتوف بالھمی ذات شبنو صدحت فی فتن

ہمارے احاطہ میں ایک کیوتر کی آواز آرہی ہے اُس کی آواز میں درد
ہے اور پتوں میں بول رہا ہے۔

وَلَقَدْ أَشْكَوْنا أَفْھَمَھا وَلَقَدْ أَشْكَوْنا قَلْھَمَھا

وہ بھی شکایت کرتی ہے جسے میں نہیں سمجھتا اور میں بھی شاکر ہوں اُس کی

سمجھ میں نہیں آتی۔

غَيْرَ أَنِّي بِالنَّهْوِ أَغْرَمْتُهَا وَهُوَ أَيْضًا بِالنَّهْوِ تَغْرَمُنِي

سو اس کے کہ عشق کے تعارف کرانے سے میں اُسے پہچانتا ہوں۔ بے

ہذا القیاس وہ مجھے عشق کے ذریعہ سے پہچانتی ہے۔

ذَكَرْتُ الْفَاوِدَ هَبْ أَمَّا لِحَا فَبَكَتْ شَجْوًا وَهَاجَتْ شَعْنِي

وہ محبت اور اچھے زمانے کو یاد کر کے درد سے روئی اور میرے غم کو حرکت

دے دی۔

آپ کے اس ذوق و شوق کا یہ اثر تھا کہ آپ کے عالی مرتبہ اور صاحب علم و

فضل تلامذہ بھی سماع کے نہایت ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم نصرآبادی

کا شمار بھی اسی قسم کے صاحبان ذوق میں تھا۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجے کے

اصحاب میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم حدیث اور کثرت روایت میں شہرت رکھتے

تھے۔ اور اپنے عہد میں شیخ خراسان مشہور تھے۔ مگر باوجود ان کمالات ظاہری

کے انھیں سماع میں بہت دلچسپی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن ان میں اور ابو عمرو

بن نجید میں جو ابو عثمان حیرری کے اصحاب و تلامذہ میں تھے اور جنید بغدادی کی

آنکھیں دیکھے ہوئے تھے کسی صحبت میں تکرار ہو گئی۔ ابو عمرو نے انھیں سماع اور نغمہ

وغیرہ میں منہمک ہونے پر الزام دیا۔ نصرآبادی نے جواب میں کہا "میں بے شک

ملزم ہوں اور آپ کا کہنا سچ ہے مگر جس صحبت میں ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو

اور باقی سب خاموش ہوں اُس محفل سے اچھی ہے جس میں غیبتیں کی جاتی ہوں۔"

اس کے متعلق حین کوئی محاکمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس واقعہ سے
 صحتاً آنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ اُس وقت کے سماع کی صحیحین میں صرف
 ایک منہی گائے والا ہوتا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی اور آزاد نہیں سنی جاتی
 تھی۔ اگر مزید یعنی طنبر سے اور ڈھولک کے قدم کی کوئی چیز ادنیٰ تو ابو القاسم
 نصر آبادی یہ نہ کہہ سکتے کہ ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو اور باقی سب خاموش
 ہوں لہذا وہ مختصر شعر نوانی سے عبارت ہے نہ نغمہ مرہ و سے جیسا کہ اکثر
 عوام میں خیال کیا جاتا ہے۔

تعلیم اور طرز تعلیم

آپ کی تعلیم نہایت سخت تھی۔ اور اس قدر دشوار کہ بہت کم لوگ اُس کے
 متحمل ہو سکتے ہوں گے۔ لیکن مدرسہ باطن کی تعلیم ہوتی ہی سخت ہے۔ کیونکہ ہاتھ
 پاؤں اور تمام اعضا و جوارح کو کسی کام سے روک کے اپنے قابو میں لانا اتنا مشکل
 نہیں جس قدر کہ دل کو صرف ایک طرف متوجہ رکھنا اور خیال کو ادھر ادھر
 جانے سے روکنا ہے۔ اگر ہم اپنے نفوس کا اندازہ کریں تو دل پر ایسا قابو حاصل
 کرنا ہمارے نزدیک منجملہ محالات نظر آتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی نے اپنے مدرسہ باطن میں لیتے وقت جیسی جیسی سخت
 ریاضتیں آپ سے کرائیں اُن پر کاربند ہونا اور اُن کو بجالانا سچ یہ ہے کہ
 آپ ہی کا کام تھا۔ ورنہ ہماری تو اتنی مجال نہیں کہ نفس انسانی کو یوں بخیر
 میں بند کر کے اپنا مطیع و منقاد بنالیں۔ لیکن جہاں آپ نے میاں خدا پرستی اتنا سخت

قرار دیا تھا وہاں خدا نے آپ کو مرید اور عقیدت کیش بھی ایسے بچے صاحبِ خلوص اور دھن سے پکے دیے تھے کہ ہر طرح کی ریاضت و نفس کشی کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور چاہے کیسی ہی زحمت و مصیبت کا سامنا ہو تا مرشد کا حکم چلا جائے میں کوتاہی نہ کرتے۔ دراصل اُس زمانے کی یہی خیر و برکت تھی جس نے ہر علم فن میں ایسے ایسے با کمال پیدا کر دیے جیسے کہ اسلام کو پھر کلم نصیب ہوئے۔

ابو العباس و امغانی کو جو آپ کے مریدین میں تھے آپ نے ہدایت فرمائی کہ ”خلوت اختیار کرو۔ لوگوں میں سے اپنا نام شادو۔ اور دیوارِ کعبہ منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں موت آجائے“ ایک مرید کو نصیحت فرمائی کہ پرہیزگاری تین طرح کی ہے۔ (۱) زبان سے۔ (۲) ارکان سے۔

(۱) اعضا و جوارح سے (۳) اور دل سے۔ زبان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ جس امر سے کچھ تعلق نہ ہو اُس میں انسان خاموش رہے۔ ارکان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ شبہات چھوڑ دیے جائیں اور جو چیز شکوک پیدا کرتی ہو اُسے چھوڑ کے اُس چیز کی طرف رجوع کیا جائے جس میں شک و شبہ نہیں۔ اور دل کی پرہیزگاری یہ ہے کہ ذلیل و حقیر اُردن اور بُرے خیالات سے بچھا چھڑایا جائے؟

حصری جو آپ کے مریدان خاص میں تھے جب پہلے پہل مرید ہو کے علم باطن میں مشغول ہوئے تو حضرت ابو بکر شبلی کی خدمت میں ہر جمعہ کو حاضر ہو کے درس حقیقت لیا کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جبکہ تم میرے پاس آتے ہو اس اثنائے میں اگر خدا سے واحد و الجلال کے سوا کسی

اور کا خیال بھی تھا کہ دل میں گزر جائے تو تھیں میرے پاس آتا سرام تھو
ایک مرتبہ ایک درویش اپنی ریاضت میں ہارا ہوا اور اپنی زندگی سے
بیزار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ "یا حضرت۔ وفاداری دین کا واسطہ
میری فریاد سی کیجیے۔ بتائیے کہ اب کیا تدبیر کروں؟ کیا اس راہ حق سے مایوس
ہو کے واپس لوٹ جاؤں؟" فرمایا "اے شخص! تو تو کفر کے دروازے کی کٹڑی
کھڑکھار رہا ہے۔ کیا نہیں سنا کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ؟ (رحمت الہی سے مایوس نہ ہو)
یہ سنتے ہی اُس نے کہا "ہاں آپ مجھے اطمینان ہوا" اُس کی زبان سے یہ کلمات
سُن کے آپ نے فرمایا "ہائین! حضرت جل وعلا کو آزماتا ہے؟ کیا نہیں سنا کہ
قل یا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (سو اب نصیب زیان کاروں کے کوئی شخص
اللہ کے مکر سے بے پروا نہیں ہے) بولا "پھر آپ ہی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟" ارشاد
ہوا "جا حضرت عزائمہ کے دروازے پر سرٹیک بیان تک کہ دم نکل جائے۔
شاید آواز آجائے کہ من بالباب" (دروازے پر کون ہے؟)

اس سے بخوبی روشن ہے کہ جس منزل باطن میں آپ اپنے
مریدوں کو لیجانا چاہتے تھے وہ کس قدر دشوار اور کٹھن تھی۔ اور کیونکر
ہو اسی راستے کو بڑی سخت آزمائشوں اور دشوار سے دشوار
ریاضتوں سے خود آپ نے طے کیا تھا۔ غرض حضرت جنید نے جس قسم
کی نفس کشیاں آپ سے کرائی تھیں ویسی ہی نفس کشیاں آپ اپنے مریدوں
سے کرائے۔ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے اور توبہ کر کے طالب حق بنے

تو آپ اُس سے فرماتے جھگل میں جا۔ تو گل اختیار کر۔ اور تمام امور سے مجرد ہونے کے بعد خانہ کعبہ کا حج کر کے آتب تو میری صحبت کے قابل ہوگا۔ یہ کہنے کے بعد بغیر کسی زوارہ اور سواری کے اُسے اپنے ہم صحبتوں کے ساتھ جھگل کی طرف روانہ کر دیتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ "آپ تو خدا کی مخلوق کے ہلاک کرنے کا بند و بست کر رہے ہیں" فرمایا "نہیں۔ میرے پاس جو آتا ہے اُس کی عرض خدا شناسی ہوتی ہے۔ میری مصاحبہ کرنے کے لیے کوئی نہیں آتا اور اگر بالفرض اُس کے دل میں میری خدمت ہی کا خیال ہے تو پھر یہ بُست پرستی ہی۔ اور اس سے تو وہ میرے پاس آنے سے پہلے ہی اچھا تھا۔ کیونکہ موحد فاسق زہرا ہوں سے افضل اعلیٰ ہوتا ہو۔ اور حب معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی عرض جستجو حق ہے تو پھر کوئی اندیشہ نہیں۔ اس میں ہلاک ہو گئے تو بھی سمجھو کہ غائبِ بلام ہو گئے۔ لیکن اگر یہ سب مصیبتیں جہل کے واپس آ گئے تو اس سفر کی تکلیفیں اُنہیں ایسا راستہ بنا دیں گی کہ بیان ٹھہرے اگر دس سال تک مجاہدہ کرے تو بھی اتنے درست ہوئے۔ اس ارشاد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کی یہ سخت ریاضت کراتے تھے۔ اور جو شخص آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہو جاتا تھا اُس کی کتنی جلد صلاح ہو جاتی تھی۔

جو مرید آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتے اُن سے بھی تھوڑی نفس کشی نہیں کرائی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے نکل کے مریدوں میں تشریف لائے جن کا شمار چالیس تھا۔ اور اُن سے فرمایا "لوگو! "

اللہ جل شانہ بندوں کے رزق کا فیصلہ ہے۔ اور فرماتا ہے: مَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهٗ
 مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (جو پرہیزگار
 کے ساتھ اسکی طرف رجوع کرے اُس کے لیے سب کے دین کو لگاؤ اور وہاں
 رزق دیتا ہے ان سے ملنے کا اُسے خیال بھی نہ تھا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو
 وہی اُس کے لیے کافی ہے) آپ کی ہدایت سن کے سب نے تو عمل اختیار
 کر لیا۔ اُسی اللہ جل شانہ سے لو لگائی۔ اور سب طرف سے توجہ ہٹالی۔ آپ
 انہیں اس عہد کا پابند کر کے واپس چلے آئے۔ اور اُس کی یہ حالت ہونی کہ
 تین دن گزر گئے۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ تیسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے۔
 اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ رِزْقًا يَّجْعَلُ لَكَ الْاَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِيْهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْوَتِهِ
 (وہ اللہ وہ ہر جس نے زمین کو تمہارے سامنے عاجز و ذلیل بنا دیا۔ اے اللہ اُسکے
 راستوں میں چلو اور اُس کے رزق کو کھاؤ) اس لیے اب مناسب ہے کہ جو
 شخص تم میں سب سے زیادہ نیک نیت ہو اس عزت گاہ سے نکل کے جائے
 اور تلاش معاش کرے۔ شاید کچھ قوت اُس کے ذریعے سے تمہیں حاصل ہو جائے۔
 پھر پانچ سب نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اُس نے جا کے شرقی و غربی بعد اومین
 چکر لگایا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تین دن کا بھوکا تھا۔ اور نہایت ہی ناتوان ہو رہا تھا۔ عقد
 پھرنے سے ضعف اور بڑھا۔ اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ آخر مجبوراً ایک نصرانی
 عہدہ بند کے دو حصے تھے ایک جو دریائے و جد کے شرق جانب آباد تھا۔ اور دوسرا جو اسکے
 مغرب جانب تھا یہ دونوں حصے شرقی و غربی ہند کے نام سے مشہور تھے۔

طیب کے مطب کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ بیانِ حقیقت کا مجموعہ تھا۔ سرمرس کے مریض جمع تھے۔ اور حکیم صاحب علاج کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کو بھی سب کر کے دو اون کے افعال و خواص بیان کر سنا جاتے تھے۔ جب بھیر چھنتی اور جمع نہ ہو تو حکیم صاحب کی نظر اس شکست یا فقیر پر پڑی تھی۔ "کیا فقیہ سے کچھ پوچھا" تھیں کیا شکایت ہے؟" یہاں مائٹنے کی عادت نہ تھی۔ اور پھر مائٹنا بھی ایک غیہ مذہب شخص سے۔ زبان نے عرض حال کی یا۔ یہ وہی مگر ایک اختیار کی حرکت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طیب نے ہنس دئی۔ اور دل نہ سمجھ گیا۔ کہ فقارِ امراض معلوم ہوا۔ اس کی دوا بھی جانتا ہوں۔ مگر در صبر کرو۔ پھر اپنے علم کے بارے میں دیا کہ بازار سے ایک۔ ظل روٹی۔ ایک۔ ظل بٹنا ہوا لوشٹ۔ اور ایک رطل ہوا۔ آؤ۔ جب غلام ان چیزوں کو لایا تو حکیم صاحب نے انھیں درویش کے حواس کر کے کہ "مقداری روایہ ہے" فیرنے لگا۔ آپ نے مرض کو خوب تشخیص کیا مگر مجھے آتنا اور عرض کر دیا چاہیے کہ اس مرض میں چائیس آہنی مبتلا ہیں۔ زیادہ لطلیب نے فوراً غلام کو بھیج کے مگر وہ مذاکرہ میں سے ہر ایک چیز چالیس چالیس رطل کی مقدار میں منگوئی۔ پھر ان سب چیزوں کو وہاں میں لگا کے ایک مزدور پر دوا یا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص جہاں لے جائے۔ ان چیزوں کو ساتھ جا کے بیوٹھا آؤ۔ عرض حضرت شبلی کا یہ مرید خاص تھا۔ اور جبلِ علا کی علا کی ہوئی ان نعمتوں کو یہی ہوئے اس عزالت گاہ میں پہونچا جہاں آپ اپنے اُتالیس مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مصروف ذکر اکھی تھے۔ آپ اس کے آنے کی خبر سُننے ہی اپنی خلوت گاہ سے باہر نکل آئے۔ کھانے کو

دیکھا اور سنسرایا "اس کھانے کا عجیب بھید ہے" پھر اُس مرید سے ساری گزشتہ
 سنی۔ اور جب وہ بین کر کے خاموش ہوا تو فرمایا "کیا تم لوگ رائیسی ہو کہ ایک
 انصافی کا کھانا کھاؤ؟ اور کچھ معاوضہ نہ کرو؟" سب نے عرض کی کہ "یا حضرت
 اس کا معاوضہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا "اُس کے حق میں دُعا کے خیر کرو اب
 سب نے ہاتھ اٹھا کے اُس کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دعا کرنا شروع
 کی۔ اتفاقاً وہ انصافی طبیب بھی ان مریدانِ توکل کی حالت دیکھنے کے لیے اُس
 مرید کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اور یہاں باہر کھڑے ہوئے ایک روشن دان میں
 سے جھانک جھانک کے ان سب کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب ان لوگوں کی بتلی
 حالت دیکھی تو نہایت متاثر ہوا۔ اور جب سب نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے
 تو شہدائے بوسکا آکے دروازے پر دستک دی۔ اور جیسے ہی دروازہ کھولا
 بے تاشا و در کے سامنے آیا۔ کلمہ شہادت پڑھ کے حضرت شیخ شعلی کے ہاتھ پر
 بیعت کی اور دین اسلام میں شامل ہو گیا۔ اس وقت دُعا کے فوراً مقبول
 ہونے کی ایسی سیرت انگیز تصویر نظر آئی کہ سب کو اللہ جل شانہ کی قدرت کا ملمہ
 کا عین یقین ہو گیا۔ یہ طبیب اس کے بعد نہایت ہی سچا اور خالص العقیدہ مسلمان
 ثابت ہوا اور حضرت شعلی کے مریدوں میں داخل رہا۔

ایک شخص آپ کی صحبت میں اکثر شریک ہوتا اور آپ کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا
 تھا۔ اُس نے ایک دن عرض کیا کہ چاہتا ہوں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں۔ فرمایا
 اپنا مال بیچ ڈال۔ اپنے قرض کا تصفیہ کر۔ اپنی بی بی کو طلاق دے۔

اپنے بچوں کو یتیم بنا دے۔ اور اُن کو اپنے تعلقات سے بیان تک مایوس کر دے کہ تجھے مردوں میں شمار کریں۔ اُس شخص نے ان سب باتوں پر عمل کیا۔ اور کچھ تھوڑا سا قوت لایموت سے کے حاضر ہوا۔ فرمایا "یہ جولا ئے ہو اسے فقرا کے آگے ڈال دو۔ اور اُن کے ساتھ بیٹھ کے کھاؤ بیٹھو۔"

ان باتوں پر اکثر اہل ظاہر کو اعتراض ہو لیکن سچ یہ ہے کہ اُس قسم کے اعتراضات عموماً غلط فہمیوں پر مبنی ہوا کرتے ہیں جن علماء نے ان باتوں پر حضرت ابو بکر شبلی یا دیگر ارباب باطن کو الزامات دیے ہیں اُن کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ جن چیزوں کو حضرت شایع علیہ السلام نے جائز اور حلال کیا ہے اُنہیں یہ بزرگ میدون کو رد کرتے اور منع کرتے ہیں۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو جائز نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن کو شکر گزار ہونے کے قبول کرنا درکنار یہ اُنھیں اپنی رسل سے بغیر کسی حجت شرعی کے منع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ انھیں وجہ سے کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ شرک فی الرسائل میں مبتلا تھے یعنی جو حق صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا خود بھی حاصل کر لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس اصول کے مطابق کہ خدا و رسول کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرنا کفر ہے ان پاک سیرت خدا پرستوں کی نسبت کفر کا فتوے دیتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا او۔ ذرا عقل سے کام لیا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ معترضین خود ہی نا سمجھی اور غلطی میں مبتلا ہیں۔

ان بزرگوں نے کبھی کسی حلال چیز کی نسبت نہیں کہا کہ وہ ناجائز یا حرام ہے۔

اور نہ کسی حرام چیز کو کبھی حلال بتایا۔ انھوں نے صرف اپنے مدرسہ کے طلبہ اور اپنے فن کے سیکھنے والوں کو یہ سبق دیا کہ گو خدا کی ہزار نعمتیں حلال طیب ہیں۔ مگر روحانی ترقی اور صفائے باطن کے لیے ان چیزوں سے احتیاء کرنے کی ضرورت ہو۔ کیونکہ جب تک غذا میں اتنی تقلیل نہ کی جائے اور نفس کو بہرہ نہ کرنے والی چیزوں سے ہاتھ نہ روکا جائے کوئی شخص نہ روحانی قوت حاصل کر سکتا ہو اور نہ نفس کو قابو میں لا سکتا ہو۔ لہذا ان کے دربار فیض کا جو از حد و جواز شرعی حلت و حرمت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ خاص قسم کا پرہیز ہے جس کو شریعت یا ثاب آخرت سے تعلق نہیں۔

اگر ایسے پرہیز کرانے ہی سے انسان کافر ہو سکتا ہے تو سب سے بڑے کافر معاذ اللہ ہمارے اطباء اور واکٹر ہون گے جو روز بلا تاغہ مریضوں کے لیے ہزار ہا چیزیں حرام اور ہزار ہا جائز کیا کرتے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ طبیبوں اور دوا فروشوں کو ان علمائے ظاہر نے نہ کبھی الزام دیا اور نہ ان کی نسبت اس بنیاد پر کبھی کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہو کہ صوفیہ کرام جو احتیاطیں اور جس قسم کے پرہیز بتایا کرتے ہیں وہ شرعی حیثیت سے نہیں بلکہ روحانی طیب ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے بہتوں کی غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ اور موجودہ اہل حدیث جو ان بزرگان باطن پر تپے نکال اعتراض کر دیا کرتے ہیں اس سے باز آ جائیں گے۔

اب ہم حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تعلیموں کو بتاتے ہیں جن کا سلسلہ پند و نصائح کی حیثیت سے ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور جن سے دنیا اپنا آخری دوا

تک فائدہ اٹھائے رہے گی۔ کہو کہ ان تعلیموں میں بڑے بڑے دینی مسائل
 اعلیٰ درجہ کی حکمتیں اور دینی و اخلاقی سمجھتیں ستر جن اور ان میں سے
 زیادہ غور کرے گا اسی قدر زیادہ ان سے لطف اور فائدہ اٹھائے گا۔
 لوگوں نے ایک دن پوچھا حضرت توحید کیا ہے؟ اس کا جواب آپ نے
 عجیب و غریب جوش و جلال کے الفاظ میں یہ دیا کہ جو اُس سے تعبیر کرے
 (یعنی توحید کو الفاظ میں بیان کرے) ملحد ہے۔ جو اُس کی طرف اشارہ
 کرے وہ بتوی (یعنی دو خداؤں کا ماننے والا) ہے۔ جو اُس کی طرف
 رجوع کرے وثنی (یعنی بت پرست) ہے۔ جو اُس سے گفتگو کرے غافل ہے۔
 جو اُس سے ساکت رہے جاہل ہے۔ جس کے دل میں یہ وہم ہو کہ پہنچ گیا۔
 اُسے سمجھو کہ کچھ نہیں حاصل ہو گا۔ جو اُس سے قریب ہونے کا دعویٰ کرے وہ
 دُور ہے۔ جو گمان کرے کہ اُسے پایہ وصل میں کھولے والا ہو کچھ تم نے اپنے دامن
 سے بغیر کیا۔ اور جو کچھ اپنے پورے معانی سے تم نے پایا وہ حقیقت سے ہٹا ہوا ہوا اور
 تمہاری ہی طرف واپس آتا ہے۔ اور وہ سب تمہارا ہی ایسا عاوش و سمنوع ہے۔
 فرماتے تھے "جو شخص علم توحید سے ذرہ برابر بھی مطلع ہو گا وہ اُس کے
 وہم کے سبب سے جسے اٹھائے ہوئے ہے باقی تمام چیزوں کے برداشت
 کرنے سے عاجز و ناتوان ہے۔ اور جسے خیال گزرا کہ اُسے توحید حاصل ہو گئی اُس
 نے یہ سمجھو کہ توحید کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ چنانچہ خود اپنی نسبت بھی باوجود
 اِس اعلیٰ مرتبہ عرفان کے فرماتے تھے کہ "جب میں یہ گمان کروں کہ میں اُسے کھویا

تو کھو کہ اُس وقت میں نے پایا۔ اور جب میں یہ خیال کروں کہ میں نے
 پایا تو جانوں کہ حقیقت میں نے کھو دیا۔ کبھی فرماتے کہ "جس نے اللہ جل شانہ کو
 اسی سے طلب کیا اُس کی توحید صحیح ہو اور میں نے اپنے نفس سے طلب کیا اُس کی
 توحید ٹھیک نہیں۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا "جانتے بھی ہو کہ تمہاری توحید کیوں
 درست نہیں؟" اُس نے عرض کیا "نہیں۔" فرمایا "اُس لیے کہ تم اسے اپنی ذات
 سے طلب کرتے ہو۔" نیز فرمایا "توحید تجھ سے اس لیے نہیں بن پڑتی کہ تو اسے اپنی طرف
 طلب کر رہا ہو۔ اور جس کے پاس توحید صورت نہیں پیدا کرتی وہ کبھی توحید کی بُو
 تک نہ سونگے گا۔" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "توحید موجد کی صفت ہے حقیقتہً اور اس کا
 زیور ہے رستاء پھر ایک مرتبہ جوش میں آ کے فرمایا "توحید موجد کا ایک حجاب
 ہے جمالِ احدیت ہے۔"

تصوف کی نسبت بھی آپ کی دقیقہ خیزانہ اور درجہ اہر معرفت جھین آپ بحر
 عافان میں غوطہ لگا کے نکال لائے ہیں بہت بہت پر لطف اور مفہوم رکھنے کے قابل
 ہیں۔ "ذاتیاً" تصوف ایک جلا دینے والی بجلی ہے "کسی اور موت پر فرمایا "تصوف
 اللہ کی صحبت میں بے غم ہو کے بیٹھنے کا نام ہے۔" ایک مرتبہ ارشاد ہوا "تصوف
 یہ ہے کہ انسان ایسا رہے جیسا کہ وجود (عالمِ ہستی) میں آنے سے پہلے تھا کسی
 صحبت میں یہ ارشاد ہوا کہ "تصوف نگاہ رکھنا تو توں یعنی حواس کا اور نگاہ رکھنا
 انھاس کا ہے۔" کبھی جوش میں آ کے یہ کہہ دیا "تصوف شرک ہے۔ کیونکہ تصوف

عہ حوران - ۱۲ - عہ طبقات الکبریٰ - ۱۲۳ - عہ طبقات الکبریٰ - ۱۲۳ - عہ تذکرۃ الاولیاء -

۱۰ - عہ رسالہ کشمیریہ - ۱۰۰ - عہ تذکرۃ الاولیاء - ۱۰۰ - عہ رسالہ کشمیریہ - ۱۲۰ -

دل کی نگہبانی ہو غیر سے اور غیر ”مین“ یعنی خودی کا خیال ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا ”تصوف یہ ہے کہ انسان آپ کو ہستی کے دیکھنے سے باز رکھے۔“ صوفی کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ ”وہ خلقت سے قطع اور اللہ سے متصل ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہو۔ واصطفیک لنفسی (مجھے مین نے اپنے نفس کے لیے اختیار کیا)“ ہر غیر (ما سوا) اللہ سے قطع کر دیا۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ ”لن ترانی“ (نہ دیکھے گا تو مجھے) ایک اور موقع پر آپ نے صوفیوں کی یہ صفت و حالت بیان کی کہ ”صوفی بچہ مین حق کے گود مین کسی نے پوچھا۔ صوفیہ کا نام صوفی کیوں رکھا گیا؟“ فرمایا ”اس لیے کہ اُن مین کچھ خودی باقی رہ گئی ہو یہ بات نہ ہوتی تو اُن کا کچھ نام ہی نہ رکھا جاتا۔ ایک موقع پر یہ فرمایا کہ صوفی وقت صوفی ہوتا ہو جب ساری خلقت کو اپنے عیال خیال کرتے یعنی سب کا کفیل و بار بردار سمجھے۔ نیز فرمایا کرتے ”صوفی خلقت کے دیکھنے سے معصوم (محفوظ) ہو جاتا ہے۔“

لوگوں نے پوچھا کہ فقیری کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا ”یہ کہ سوا خدا کے اور کسی چیز کے ذریعے سے غنی نہ حاصل کرے۔“ چنانچہ اسی امر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک مرتبہ یوں فرمایا ”فقر کی ادنیٰ علامت یہ ہو کہ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ مین ہو۔ پھر اُسے وہ ایک ہی دن مین خیرات بھی کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر اُس کے دل مین یہ خیال گزر گیا کہ اپنے لیے مین نے

عہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۷۰۱۔ ۷۰۰۔ رسالہ تشبیرہ۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔

لعہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۷۰۱۔ ۷۰۰۔ رسالہ تشبیرہ۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ عوارف۔ ۲۹۸۔

ایک دن کا قوت لایموت رکھ لیا ہوتا تو اُس کا فقر چاہیں یونین ایک اور
موقع پر کسی نے اسی فقیر کے مسئلہ کو پوچھا فرمایا فقر یہ ہے کہ سوا ذات باری تعالیٰ
کے کسی دولت کی آرزو نہ ہو۔

محمد بن عبد الوہاب کا بیان ہے کہ ایک نیکو نے آپ سے
معرفت کی نسبت سوال کیا فرمایا "اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا کی
کوئی حد نہایت نہیں" نیز ارشاد فرماتے ہیں "عارف اُس کے سوا کسی کو
نہیں دیکھتا۔ اور نہ اُس کے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ سوا
اللہ جل شانہ کے کسی کو اپنی ذات کا محافظ خیال کرتا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا
عارف کا وقت بھی گویا موسم بہار ہے۔ بادل گر جتا ہے۔ ابر برستا ہے۔ کونہ
چمکتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ پھول کھلتے ہیں۔ بلبل چہچہاتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح
عارف کی آنکھ روتی ہے۔ لب ہنستے ہیں۔ دل جلتا ہے۔ سر ہلتا ہے۔ ہمیشہ
دوست کا نام لیتا ہے۔ اور اُس کے دروازے پر چکر لگاتا ہے۔ ایک مرتبہ
ارشاد ہوا "عارف وہ ہے کہ کبھی تو ایک مچھر کی تاب نہ لاسکے اور کبھی ساتواں
آسمانوں پر زمینوں کو ایک پلک کی نوک پر اٹھائے" معرفت کے تعلق اپنے
سے جذب و جوش کو زیادہ حسوس منظر میں لا کے فرماتے ہیں "عارف وہ ہے
کہ دنیا کی ازار بنائے۔ اور آخرت کی چادر۔ پھر دونوں کو اُتار کے اللہ جل شانہ
کے ساتھ مفرد ہو جائے" اس کے بعد معرفت کی نوعیتوں کی تصریح فرماتے
ہیں کہ "معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معرفت حق تعالیٰ کی۔ (۲) محتاج ذکر الہی کی اور

(۲) معرفت نفس کی یہ محتاج ہو فرائض دینی ادا کرنے کی۔ (۳) معرفت باطن کی۔ اور یہ محتاج ہے اس بات کی کہ انسان اُس کے احکام اور قضا و قدر پر راضی یعنی راضی برضا ہو جائے۔

محبت چونکہ تصوف اور کمال باطن کی سیڑھی اور رمز شناسی کی جان ہے اس لیے فرماتے ہیں ”محبت یہ ہے کہ محبوب جو چاہے اُس کو اختیار کر کو بلا تباہی تجھے اُس سے نفرت ہو۔ اور جس چیز سے محبوب کو نفرت ہو اُسے چھوڑ دے اگرچہ تجھے اُس سے اُنس و الفت ہو“ منصور بن عبد اللہ نے حضرت ابو بکر شبلی کو یہ فرماتے سنا: ”محبت یہ ہے کہ تجھ میں اس بات کا جوش رقابت پیدا ہو کہ تجھ کوئی اور شخص بھی اُس سے محبت کرتا ہے“ ایک موقع پر ارشاد فرمایا ”محبت کا نام محبت اس لیے رکھا گیا کہ سوا محبوب کے سب چیزوں کو دل سے متا دیتی ہے“ ایک دفعہ فرمایا ”بھنوں عامری سے لوگوں نے پوچھا تمہیں لیلے اسو محبت ہے؟“ کہا ”نہیں پوچھا“ کیوں؟ ”ما محبت ذریعہ وصل ہے۔ اور بیان ذریعہ ہی درمیان سے سا قفا ہو گیا۔ کیونکہ مین لیلے ہوں اور لیلے مین ہے“ یہ جو وہ محبت جسے آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور جو آپ کے الفاظ و افعال سے بار بار چمک اٹھا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے محبت کی نسبت سوال کیا تو فرمایا کائس لھا و شیع اذا استقر فی الحوائس و مسکن فی القوس ثلاثت (ایک عامر جس میں ایک ایسی گرمی ہے جس نے اگر حواس میں قرار پکڑ لیا اور نفس میں

عہ تذکرۃ الاولیاء۔ ۱۔ عہ عوارف۔ ۳۲۴۔ عہ رسالہ کشمیر۔ ۱۸۹۔

طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲۔ عہ عوارف۔ ۳۲۱۔

کھمبہ نمی تو ساری ہستی کو بٹا کے اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے (ایک مفعیل پر مشتمل)
 فرمایا "محبت یہ ہے کہ جس چیز کو تو دوست رکھتا ہو اُسے محبوب کہے۔ یہ نہج کرے۔"
 اور محبت کے اثر کو ان الفاظ میں بتایا کہ "محبت دلون کی گھاسنے والی ہے۔"
 محبت کی آگ جانوں کی گھسانے والی ہے۔ اور رشتوں نفسوں کا گھاتے والا ہو
 زہد و روع (پرہیزگاری) کی نسبت فرماتے تھے "روع یہ ہے کہ سب کو اسی قدر
 سے تو پرہیز کرے۔ یعنی ہذا القیاس زہد کی نسبت لوگوں نے سوال کیا "فرمایا
 "زہد یہ ہے کہ کل ماسواہی اللہ سے تو زاہد (کنارہ کش) ہو جائے۔ دوسرے
 موقع پر فرمایا "زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو بھول جائے اور آخرت کو یاد من نہ لائے۔"
 ایک دفعہ ارشاد ہوا "زہد یہ ہے کہ دل کو اشیا سے خالق اشیا کی طرف پھیرے۔"
 پھر ایک دفعہ جوش وحدت سے از خود رفته ہو کے فرمایا "زہد غفلت ہے کیونکہ
 دنیا تاخیر ہے اور ناخیر میں زہد کرنا غافل ہونا ہے۔" اور سب سے زیادہ آپ کا
 بیادیت پر مغز فقرہ روع کی نسبت یہ ہے۔ "الودع ان قوتوع ان تکتف قلبك
 عن اللہ فی عین" پرہیزگاری اس بات سے بچنے کا نام ہے کہ ایک چشم زوان
 کے لیے بھی تیرا دل اللہ جل شانہ کی طرف سے نہ ہٹے۔ اور آخر اُس حضرت رب العز
 کی تم رب کا ملہ کا لحاظ فرما کے اور دریائے عرفان میں غرق ہو کے فرما دیا
 "اور سچ تو یہ ہے کہ زہد کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ دھو رتوں سے خالی
 نہیں ہے۔ یا تو انسان اُس چیز سے کنارہ کش ہوگا جو اُس کے پاس نہیں ہے
 تو یہ کنارہ کشی ہی نہیں ہے۔ اور یا اُس چیز سے کنارہ کش ہوگا جو اُس کے

پاس ہے۔ تو اُس سے کنارہ کشی کیونکہ ممکن ہے؟ اُس لیے کہ وہ تو اُس کے ساتھ
اور اُس کے پاس موجود ہے۔ غرض یہ کہ زہد و ورع نفس کی لاف زنی کے سوا
کچھ نہیں یہی خیال دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا گیا ہے ”جو مقدمہ میں ہے ضرور
پونچے گا۔ اور جو مقدمہ میں نہیں کتنی ہی محنت و مشقت سے کام لے گا۔ پھر زہد
کیا ہوا؟“

ایک شخص نے آ کے کثرت عیال کی شکایت کی۔ نہایت ہی سہولت اور
ممانعت سے فرمایا ”ایک کام کرو۔ اپنے گھر میں جا کے دیکھو جس کسی کا رزق خدا
کے ذمہ نہ ہو اُسے نکال دو“ باوجود اس حد تک راضی برضا ہونے اور ہر چیز کو
اُس احدم نزل کے قبضہ قدرت میں سمجھنے کے آپ میں عجب آزادانہ باتیں تھا۔ کسی
نے کہا ”کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ رُغن ہے؟“ فرمایا ”ہاں جانتا ہوں۔ لیکن جب
سے اُس کی رحمت کو جانتا ہے اُس سے رحم کی درخواست نہیں کی“ سائل نے تحریر
ہو کے عرض کیا ”کیون؟“ فرمایا ”اس لیے کہ حریت (آزادی) کا مقام زیادہ
معرّز ہے۔“

احمد بن محمد بن زید نے ایک دن حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زبان فیض ترجمان
سے مندرجہ ذیل کلمات ہدایت و معرفت سُننے تھے۔ جو اس قابل ہیں کہ آپ زہد
سے لکھے جائیں۔ ”عارف کو کسی سے علاقہ نہیں۔ محب کو کوئی شکایت نہیں۔
خوف زدہ کو کبھی قرار نہیں۔ اور اللہ عز و جل سے کسی کو مفر نہیں ہے۔“

عوارف - ۲۹۵ - تذکرۃ الاولیاء - ۳۷ - عوارف - ۳۱۶ -

للہ رسالہ کشمیریہ - ۱۳۰ - ۱۸۴ -

کسی نے پوچھا ”دُنیا کیا ہے؟“ فرمایا ”ابک“ دیکھی ہے جو جوش کمار ہی ہے۔
 اور ایک تھیلا ہے جو بھر جارا ہے۔“ اپنے اہل زمانہ سے کہا کرتے ”تم لوگ
 قبرین ہو کسی نے عرض کیا ”کیون؟“ فرمایا ”اس لیے کہ تم مین سے ہر ایک کپڑوں
 مین دھن ہے۔“ تو اس پر کسی اور نے کہا ”تو ہمارا شمار مردون مین ہے؟“ فرمایا
 ”بے شک عارف سو رہے مین۔ اور جاہل مُردے مین۔“

ایک شخص نے آپ کے سامنے اپنا یہ شب پیش کیا کہ دُنیا تو افعال و مشغال
 کے لیے ہے اور آخرت احوال کے لیے۔ پھر راسخ کب ہوگی؟“ فرمایا ”دُنیا کے
 اشغال سے دست بردار ہو جاؤ تا کہ آخرت کے احوال سے بھی نجات مل جائے۔“
 ایک مرتبہ فرمایا ”عبودیت اٹھ جانا تیری مراد اور ارادے کا ہے اُس جل شانہ کے
 ارادے کے مقابلہ مین۔ اور تیری اختیار کا ٹوٹ جانا ہے اُس کے اختیار کے
 مقابلہ مین۔ اور تیری آرزوؤں کا ترک کر کے اُسکی قصا کے مقابلہ مین؟“

فرماتے ہیں غیر تین دو قسم کی ہیں۔ (۱) غیرت بشریت نفسوں پر (۲) اور غیرت
 اتنی دلوں پر اس کے بعد تصریح فرماتے ہیں کہ نفسوں پر غیرت اتنی یہ ہے کہ کل یا دوئی نہ
 کو تو ضائع کر دے علیٰ ہذا القیاس ارشاد فرمایا ہو کہ ”دعوتین تین ہیں۔ (۱) دعوتِ غلیم
 (۲) دعوتِ معرفت۔ (۳) دعوتِ معائنۃ علم الیقین۔ اور عین الیقین۔ و رقی الیقین کے
 الفاظ ہر اہل و نا اہل کی زبان سے سُنے جاتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو بکر
 شبلی نے ان کی کیا تعریف و تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں علم الیقین وہ علم ہو
 جو ہمیں انبیاء علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے پہنچا ہے۔ اور عین الیقین وہ علم ہو

جو اصرارِ ہدایت میں خوض و غمر کرنے سے بغیر کسی ذریعہ، زور و اسطہ کے دل
حاصل ہو۔ اور حق الیقین وہ ہے جس کے مضامین تک اس عالم میں رسائی
نہیں ہو سکتی۔

کسی نے پوچھا "یا حضرت آفتاب غروب کے وقت زرد کیوں ہو جاتا ہے؟"
فرمایا "اسی لیے کہ وہ اپنی تکمیل کے مقام سے عسجد ہوتے وقت آنے والے مقام کے
خوف سے زرد ہو جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ دنیا سے نکلنے وقت اُس کا چہرہ
زرد ہو جاتا ہے کیونکہ آئندہ کی منزل سے ڈرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو
کہ بپ آفتاب طلوع ہوتا ہے تو چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ اسی طرح مومن جب قبر سے
نکلتا ہے اُس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوتا ہے۔"

شریعت و طریقت و حقیقت کا فرق بتاتے ہیں کہ شریعت یہ ہے کہ تو اُس
خدائے عز و جل کی عبادت کرے۔ طریقت یہ ہے کہ تو اُس کو طلب کرے۔ اور
حقیقت یہ ہے کہ تو اُس کو دیکھے۔

دل کو خدا کے خیال کا مرکز و مستقر ہونے کے باعث آپ نے بھی کعبہ سے
تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "بیت اللہ الحرام (کعبہ شریف) میں حضرت
نبی علیہ السلام کے آثار ہیں اور دل میں حضرت رب العزت کے آثار۔ علی
الیقین اس طرح خانہ کعبہ میں ستون ہیں۔ اسی طرح دل میں بھی ستون ہیں۔ مگر
بیت اللہ کے ستون پتھر کے ہیں۔ اور دل کے ستون اُس جوہر سے بنائے گئے
ہیں جو انوارِ رفت کے معاون سے نکلتا ہے۔"

فرماتے ہیں خلقت جو اشارہ حق کی طرف کرتی ہے وہ اشارہ مردود ہے۔
مگر جو اشارہ حق سے حق کی طرف ہوا اور خلقت کو اُس میں دخل نہ ہو وہ اشارہ
الہیہ مقبول ہے۔

مہرِ یون کو ہدایت فرماتے کہ دنیا میں استقامت قیامت پر معمول
کرنے کا نام ہو۔ حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے۔ لہذا اُسی وقت
کے انتظار میں ثابت قدم رہنا استقامت ہے۔

کتبہ پر: بازگ مسند الہیات کو آسانی کے ساتھ چند الفاظ میں حل کر دیا
ہے کہ ”بتہ سے کا بننے کی آنکھ میں ظاہر ہونا عبودیت ہے۔ اور حق تعالیٰ بل شائ
سے سناتے کا اُس پر ظاہر ہونا مشاہدہ“ لیکن اس سے زیادہ پُر مذاق یہ لطیفہ ہو
کہ ایک دن کسی نے آپ سے مشاہدہ حق کی کیفیت پوچھی فرمایا ”ہمارے لیے
خدا کا مشاہدہ کہاں؟ خدا ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے“

ایک ہی ام میں آپ کے اس قسم کے مختلف و متباہن الفاظ سن کے لوگوں
نے حوش کیا ”مفسر“ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کبھی کچھ فرماتے ہیں اور کبھی کچھ
جواب میں ارشاد ہوا ”ہم کبھی باخود ہوتے ہیں اور کبھی بیخود“

نتائجِ صوفیہ پر جو عالم وجد طاری ہوا کرتا ہے اُس کی حالت بیان فرماتے
ہیں کہ ”الْوَجْدُ اَظْهَرُ الْمَوْجُودِ“ یعنی وجد اُس موجود مطلق کے ظاہر کرنے سے
عبارت ہے۔ ”پھر خود ہی ان لوگوں کا خیال کر کے جو نا اہل ہونے کے ساتھ وجد کا

۵۵ تذکرۃ الاولیاء - ۴۰ - ۵۵ رسالہ تفسیریہ - ۲۵ - ۵۵ تذکرۃ الاولیاء - ۴۰ -

۵۵ رسالہ تفسیریہ - ۵۸ - ۵۵ تذکرۃ الاولیاء - ۴۰ -

اٹھار کیا کرتے ہیں اللہ شاد فرمایا تجب تک شہود کا مرتبہ نہ حاصل ہو و جد میرے
نزدیک آنکا رہا رہی ہے۔ اور جسے خداوند جل و علا کا شہود حاصل ہے وہ میرے
خیال میں (اس) ہستی کے شہود کو فنا کر دیتا ہے۔

اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو فرماتے "جَلَّ الْوَاحِدُ الْمَعْرُوفُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَ قَبْلَ الْخَلْقِ"
یعنی حرفون اور تعریفون سے پہلے ہی وہ مشہور ریگانہ (مطلق) بزرگ و برتر ہوا۔
علیٰ ہذا القیاس یہ بھی کبھی کبھی فرماتے اُن کی حق سبحانہ کی ذات کی نہ کیفیت بیان
کی جا سکتی ہے۔ اور اُس کے کلمات کے لیے حرف نہیں ہیں نہ امر یہ سن سے
اکثر فرماتے "اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا بلیس (ہم صحبت)
ہوں" اس کے اور پوچھتے "ایسی صورت میں بتاؤ کہ خدا کے پاس بیٹے کے اُسکی
صحبت سے تم کو کون نے کیا فائدہ اٹھایا؟"

ابو الحسن ثنی کا بیان ہے کہ ایک دن میں جامع بغداد میں شیخ ابو بکر ثنی کی
صحبت میں فیض یا بان معرفت کے حلقے کے پاس ایک کنارہ پر کھڑا ہوا تھا
کہ ایک شخص مشائخ کی وضع و لباس میں آیا۔ اور پوچھا کہ "اے شیخ۔ وصل کیا چیز
ہے؟" سنتے ہی ثنی نے اُس کی طرف رخ کر کے دیکھا اور فرمایا "اے وصل کنی حقیقت
پوچھنے والے دلچسپ کے لگاؤ کو چھوڑ دے۔ تو نے یہ کیا اور وصل کے درجے
کو پہنچ گیا؟" اُس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دونوں لگاؤ کون سے ہیں؟
فرمایا "ایک ٹیلا تمہارے سامنے کھوا اللہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ پوچھا "او
وہ ٹیلا کون سا ہے؟" فرمایا "دنیا و آخرت۔ چنانچہ خود ہمارا پروردگار فرماتا ہے

کہ منکر میں یزید اللہ دنیا و منکر میں یزید، الاحسنہ (تم میں سے کوئی دینا پاتا
 ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہے) وہ شخص کہاں ہے جو خدا کو پاتا ہو؟ یہ جواب
 دینے کے بعد آپ کے دل میں توحید اور عشق الہی کا جوش ہوا اور رعب
 بتائی کے بچہ میں یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے ”إِذَا قُلْتُمْ اللَّهُمَّ هُوَ اللَّهُ
 وَلَا إِسْكَتَ فَهُوَ اللَّهُ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ يَا مَنْ هُوَ هُوًا وَلَا يَكُنْ أَحَدًا مَا هُوَ سِوَا
 سُبْحَانَهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ رَبُّ رَبِّكَ اللَّهُ رَبُّ رَبِّكَ اللَّهُ تَوَهُ
 ہے اور جب تو خاموش ہے تب بھی وہ اللہ ہے، اے اللہ! اے اللہ! اور
 اس وہ کہ وہ وہی ہو! اور خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے!
 پاک ہے وہ پاک ہے وہ بادل الہی ہو اور کوئی اُس کا شریک نہیں! یہ کلمات ایسے
 جوش اور ایسے دل سے نکلے تھے کہ آپ زیادہ کی تاب نہ لاسکے۔ یہیں تک
 ہو چنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کے زمین پر گر پڑے۔ اور مریدین آپ کو بہت
 اٹھاکے گھر میں لائے۔

ابو علی منازلی نے ایک دن خدمت میں عرض کیا کہ ”یا حضرت! بعض
 اوقات میں کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتا ہوں تو اُس کے اثر سے دل اس
 بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر دوں۔ اور دنیا کی طرف سے
 منہ پھیر لوں۔ مگر یہ حالت تھوڑے زمانے کے بعد جاتی رہتی ہے اور دل
 اپنی طرف اور دنیا کے لوگوں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔ آپ نے سُن کے
 فرمایا ”جو کشش تم میں پیدا ہوتی ہے وہ اُس حضرت رب العزت کی تھا ہے۔“

سال پر توبہ اور اُس کا ٹھٹھ و کرم ہے۔ اور اس کے بعد پھر اپنی حالت پر آجائے
اس کی شفقت ہے۔ اس لیے کہ اُس کی طرف توبہ کرنے میں تمھارے لیے یہ مناسب
نہیں ہے کہ اُسکی طاقت اور قوت سے علحدگی اختیار کرو۔

ابو حسین مروان روزی کو حضرت شبلی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔
انھوں نے ایک دن آپ سے سوال کیا کہ اگر کفر الہ کمین سب فیاضوں سے
بڑا فیاض کون ہے؟ فرمایا "وہ جس نے کبھی کسی شخص کو ایک گناہ پر ایک دفعہ
معاف کر دیا تھا۔ لہذا اب اُس گناہ پر کبھی کسی شخص کو عذاب میں نہ مبتلا کرے گا۔
محض اِس فیال سے کہ یہ وہ گناہ ہے جو فلاں بندے کے لیے معاف کر دیا گیا تھا۔
یہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ جس ممنوع میوے کے کھانے
پر آپ کا قصور معاف کیا گیا اب اُسے سب کھاتے ہیں۔ اور خدا کسی سے اُسکی
باز پرس نہ کرے گا۔

لوگوں نے ایک دن عرض کیا کہ ابو تراب شبلی (جو مشہور روزگار و یار اللہ
میں گزرے ہیں) صحرا میں ایک دن بھوکے ہوئے تو نظر آیا کہ سارا من صحرا
غذاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ "مُن کے فرمایا: یہ ایک بندہ تھا جس کے سال پر
ہر بانی ہوئی۔ لیکن اگر تحقیق کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ بلکہ
دیا ہوتا جیسا کہ حضرت رسالت آج صلعم فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ اَعْلَلُّ عِبْدَیْ
یَطْعَمُنِیْ وَ یُثِقِّلُنِیْ اَمِنْ اِیْنِیْ پروردگار کے پاس رہتا ہوں جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔
ایک دن لوگوں نے پوچھا حضرت۔ رسول اللہ صلعم نے جو ارشاد فرمایا

کہ خیر قہر المرء کسب یمینہم (انسان کا سب سے اچھا عمل وہ ہے جسے اپنے دہشتہ ہاتھ
 رات اپنی قوت بازو) سے حاصل کرے۔ اس میں کسب یمین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جب
 رات ہو پانی کے وضو کرو۔ اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ پھر چغنی نماز چاہت
 پڑھو۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھانے اور گاہ رب العزت میں دعا کرو۔ پس یہی تمہارا
 کسب یمین ہے۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ توبہ میں دیر لگانا اور تاخیر کرنا سب سے بڑا گناہ
 ہے۔ اس لیے کہ جب گناہ گار نے یہ کہا کہ سال بھر بعد توبہ کہوں گا تو اس کے یہ بیج
 ہونے کہ سال بھر تک گناہ کرتا رہوں گا۔

یہ بھی آپ کی تعلیمات باطنی میں سے ہے کہ اللہ جل شانہ لوگوں کے ظرف و
 وسعہ کے مطابق ان کے سامنے سے واسطوں یعنی پردوں کو ہٹا کر تا ہے۔
 کیونکہ جو حالات نبی علیہم السلام پر منکشف ہو گئے ہیں۔ اگر اویلا اللہ بر ذرہ
 پر بر بھی کھل جائیں تو ان کی ولایت باطن ہو جائے اور بارگاہ ربانی سے
 وہ کلیۃ منقطع ہو جائیں۔

کبھی کبھی شیعین اور ارجح پر اعتراض کرنے۔ اور فرماتے کہ شیعوں
 اور خاں جیون سے زیادہ تنگ حوصلہ کوئی نہیں۔ کسی نے اگر پوچھا کیا تو اپنے لیے
 اور بھلا کیا تو اپنے لیے کیا۔ مگر یہ دوسروں کی حمایت یا مخالفت میں اپنا وقت
 برباد کیا کرتے ہیں۔

وقت کی قدر و قیمت علمائے ظاہر کی زبان سے بارہا سن چکے ہو۔ اور

عہ مستطین فی کل فن مستظرف۔ حیدر اہل۔ ۱۳۸۰ھ عوارف۔ ۱۳۹۸ھ طبقات مکیہ۔ ۱۳۹۸ھ تذکرۃ اہل

خصوص آج کل مغربی مذاق کے رہبران اخلاق کے ہزار ہا پریشان و مشکوہ
الفاظ کا لون میں گونج رہے ہوں گے۔ اب ذرا سنو کہ ایک اگلا صاحب
دل ولی اللہ اس النول پونجی کی وقت کس عنوان سے ملتا ہے۔ حافظ
صوفی شیخ ابو سعید مالینی حضرت ابو بکر شبلی کا یہ بے با قول بیان فرمایا کرتے
تھے کہ یہ وقت کی پونجی جو تھا رہے پاس ہے اسے فخر و ناز کے ساتھ رکھو کیونکہ
کل ہی سحر یہ تھا رہے پاس ہو گا۔ اور اسی کے ذریعے سے اُس کے ساتھ
ازلی صحبت رہے گی۔

ہمارے گراں پایہ مورخ زمانہ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے مولانا
روم کے اکثر اشارے سے موجودہ مسائل سائنس کے ثبوت دیے ہیں۔ اس
سلسلے میں وہ شاید حضرت ابو بکر شبلی کے اس قول سے یہ فائدہ اٹھا سکیں
کہ زمانہ کے نزدیک زمانہ حرکت فکلی سے متزع ہے۔ اور اگر یہ زقار فلک
نہ ہو تو زمانہ بھی نہ باقی رہے۔ یہ حال کی تحقیق ہے کہ زمانہ تخلیق اور قبل
و بعد تخلیق کی حالتوں سے یکساں متعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان جدید محققوں
سے بہت پہلے اسلام کا ایک پاک نفس صوفی کہ رہا ہے کہ اس عالم کے
فنا ہونے کے بعد بھی خدا کے ساتھ ازلی صحبت میں زمانہ موجود ہو گا۔

آپ قرآن مجید میں بہت زیادہ خوض و فکر کرتے۔ اور علم باطن
کے متعلق ایسے نازک لطیف اور بحر عرفان کے گوہر شاہوار ڈھونڈ نکالتے
جو آپ سے پیشتر شاذ و نادر ہی کسی کے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ اکثر آیات قرآنی

کی آپ نے ایسی اچھی تفسیر کی ہے اور اُن سے ایسے مسائل اپنی الہامی قوت سے حاصل کیے ہیں جو سچ یہ ہے کہ آپ ہی کا حصہ ہیں۔

آپ کے زمانے میں شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ مرقی قرآن کی ساتوں قراتوں کے عالم بے ہمتا تھے۔ اور علوم قرآن میں اُن کی سند مانی جاتی تھی۔ اُنھوں نے جب حضرت ابو بکر شبلی کو یہ دعویٰ کرتے دیکھا کہ علم و فضل منحربہ فساد بھی ہو جایا کرتا ہے تو اعتراضاً آپ کی خدمت میں آئے کہ اس علم سے اور فساد پیدا ہونے سے بھلا کیا علاقہ؟ اور یہ بھی دیکھو کہ اُس سے نفع کس قدر حاصل ہوتا ہے! سنتے ہی حضرت شبلی بولے "تواللہ جل شانہ کے قول فطیقاً مَسْحَابُ الشُّوقِ وَالْاَعْيَافِ" کا کیا مطلب؟ اس کے بعد جناب شیخ شبلی نے سوال کرنے کے لیے میں اُن سے فرمایا مگر اسے قرآن کا درس دینے والے بتا کہ قرآن میں یہ مضمون کہاں ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والے پر عذابین کرتا؟ شیخ احمد مرقی جب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دے سکے تو حضرت شبلی نے فرمایا کہ "سُئِلُوا اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ نَحْنُ

عند یہ آیت سورہ ص کی ہے۔ معنی یہ کہ وہ یہودیوں اور گردون پر گھوڑوں کی ہاتھ مارنے لگے۔" اس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ عہد کے کنارہ وریائی گھوڑے نکلتے ہیں۔ یہ آپ نے بھی نسل کی گھوڑیاں، دامن بند عہد میں گھوڑیاں اُن سے حاصل ہوئیں۔ اور نہایت ہی اچھے بچے بنے یہ بچے جب تیار کر کے ملاحظہ میں لائے گئے تو آپ اُن میں اس قدر مشغول ہوئے کہ دوسرے بچے گنا اور عبادت کا وقت گزر گیا۔ اس پر آپ کو غصہ آیا اور اُن عہدہ نسل کے گھوڑوں کو ننگا کے کاٹ ڈالا۔ یہی آخری واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

انباء اللہ و احبائوہ کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں۔ غالباً شیخ کا مقصود یہ ہے کہ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ شرک و کفر میں مبتلا اور کفر میں مگر چونکہ خدا کے دوست اور عزیز ہونے کے دعویدار ہیں اس لیے وہ ان پر عذاب نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ قل للؤمنین یغفر اللہ عنہم۔ (اے محمد صلعم) مومنین سے کہ اپنی آنکھیں نہ کھولیں ان کی تفسیر میں فرماتے ہیں سر کی آنکھوں کو بخار سے اور دونوں کی آنکھوں کو ماسوائی اللہ سے۔ یہ کہ یہ کہ لا من اتی اللہ یفدیکم (اگر وہ شخص جو خدا کے پاس قلب سلیم لے کے حاضر ہو) کی تفسیر میں فرمایا یہ قلب سلیم ابراہیم علیہ السلام کا قلب تھا۔ اس لیے کہ وہ بندے کی حیثیتوں اور حضرت رب العزت کی ناراضیوں سے اپنے امکان بھر محفوظ تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے الرحمن علی العرش استوی کے معنی پوچھے۔ فرمایا خداوند جل و علا ہمیشہ سے تھا اور عرش بعد پیدا ہوا۔ یاد رکھو کہ رحمن عرش سے نہیں بلکہ عرش رحمن سے مستوی ہوا۔ ایک مرتبہ آیہ کریمہ وَلَسَّوْنَ یُعْطِیْکَ مِنْکَ قَرَارًا (اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے دے گا ایسا کہ تو راضی ہو گا) پڑھی اور فرمایا خدا کی قسم جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی آتش و دوزخ میں ہے گا آپ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

مع طبقات الشافعیہ سبکی۔ جلد دوم۔ ۱۱۲۔ مع نفحات الانس، ۱۷۷۔ مع طبقات الکبریٰ، ۱۱۳۔

معہ رجب المرجب ۱۲۶۱۔ ورسالہ تفسیر۔ مع تلخیص علی الصومی فی تفسیر والد عادی۔

ابو نصر عبد اللہ بن علی طوسی سراج اپنی کتاب التلخیص میں لکھتے ہیں کہ ایک ن
 بوکر بن خفیف نے شبلی سے اللہ جل شانہ کے قول وَمَكَرُوا وَسَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ
 خَيْرُ الْمَاكِرِينَ را اور مکر کیا انھیں رکافروں نے اور مکر کیا اللہ نے۔ اور اللہ
 سب سے اچھا کر کرنے والا ہے (کوٹیش کر کے عرض کیا کہ خیر ان لوگوں کا مکر تو
 معلوم ہے۔ مگر اللہ کا مکر کیا ہے؟“ فرمایا ”اللہ کا یہ مکر ہے کہ وہ جس حالت پر تھی
 اُسی حالت پر انہیں چھوڑ دیا۔ اگر وہ چاہتا تو ان کی حالت اب اب تک وہی
 رہتی۔ بلکہ باقی انہیں ابو بکر بن خفیف موصوف کی صورت دیکھی تو ان میں
 سمجھ گئے کہ یہ بات ان کے دل پر نقش نہیں ہوئی ہے۔ بولے ”تم نے فلان بلائیے
 عورت کو کہی یہ شعر گاتے سنا ہے کہ۔

وَيَقْبَحُ مِنْ سِوَاكَ الْفُحْلُ عُنْدِي وَتَفْعَلُهُ وَتَحْنُ مِنْكَ ذَاكَ

کوئی کام تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے اور وہی کام
 تو کرتا ہے تو یہ تجھ ہے اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔“

لوگوں نے ایک موقع پر آپ سے حدیث نبویؐ اذ اُیأیتہم اهل البلاء
 فاستلوا ربکم العافیة (جب تم بتلاؤ بلا لوگوں کو دیکھو تو اپنے پروردگار سے
 عافیت کی دُعا مانگو) کے منہ پوچھ فرمایا ”بتلائے بلا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی
 طرف سے غافل ہیں۔“



آپ کی مخالفت

مونیان اختلاف کیا جانا اور اہل زمانہ کا عداوت و دشمنی پر آمادہ ہو جانا ہمیشہ اہل حق اور سچے خدا پرستوں کی آزمائش کا ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ یہ دشواری ہر فن اور ہر قسم کے باکمالوں کو پیش آیا کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ کے ایسے ائمہ فقہ و حدیث بھی زمانے کی اس عام سرد مہری سے نہیں بچے تو پھر عیادہ صوفیوں کے لیے کیونکر فرہو سکنا ہے؟

حضرت جنید بغدادی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ باوجود احتیاط شدید اور عام لوگوں کے سامنے خاموش رہنے کے طعن خلائق اور صاحب امتیاز اُمرا کی سختیوں سے نہ بچ سکے۔ زمانے کی جب یہ حالت ہو ہی تھی تو حضرت ابو بکر شبلی کا دامن اُن لوگوں کے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ کیونکہ آپ تو مرشد کے روکنے پر بھی رموز باطن کو علانیہ علی رؤس الاشهاد اور برسر منبر بیان فرمایا کرتے تھے۔ حسین بن منصور حلاج کے نذر اجل ہونے کے وقت اراکین لطیف کو عام صوفیوں کی طرف سے بدگمانی ہو گئی تھی جن میں سب اہل مرتبہ آپ ہی کا تھا اور اُس وقت آپ کی زبان سے نہ جن ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ لوگوں کی پرکینہ نظریں سب سے زیادہ آپ ہی پر پڑتی تھیں۔ مگر اپنی عادت کے خلاف اُن دنوں آپ نے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اُس غائبہ عظیم سے بچ گئے۔

مگر وہ خیر ایک خاص موقع تھا۔ آپ کی زندگی ہمیشہ ایسی بدگمانیوں کا ہدف بنی رہی۔ چنانچہ بھال اور عوام کے ہاتھوں آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہمیشہ خلق کے

شرع و شرعین مبتلا اور رد و قبول کے ہجکوں برداشت کرتے رہے۔ اکثر لوگ آپ کے
 قتل کے لئے آمادہ رہے۔ کیونکہ آپ کی "بی" بعض باتیں حسین بن منصور حلاج کی باتوں
 سے متعلق تھیں۔ مگر تاہم یہ ہیں کہ لوگوں سے راہ چلتے ڈھیلے مارے جن سے پاؤں
 اس قدر رنخی ہو گیا کہ چلتے تو زمین پر رخسار کے چھاپے بن جاتے۔ اس کا بھی ذکر ہو چکا
 ہے کہ زنجیروں میں باندھ کے جہانے لئے غرض کہ کوئی بات اٹھ نہیں رہی۔

مگر پھر بھی آپ کو منہ نصیب تھے نہ سریر آریاں سلطنت اور امرائے دولت کبھی آپ کی
 بار بار مافیہ پرندہ آمادہ ہوئے۔ جیسا کہ دیگر بزرگان صوفیہ اور ائمہ دین کو پیش آیا تھا۔
 آپ سے جس شہناج صوفیہ کو ایسی اختلاف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو بکر بن ابیاری رموی
 جو مشہور عالم و مرید تھے، میں تھے تصوف کے ایک جداگانہ طریقہ کے بانی و مجتہد
 تھے۔ انھیں پہلا شہناج سوانح خصوصاً ابو بکر شبلی وغیرہ کے طرز عمل اور آپ کی تعلیموں
 پر اعتراض تھا۔ مگر اس سے بچا اس کے کہ عوام الناس آپ کے مخالف ہوں عرا
 اور بندہ اس کے شیعین باطن خود ابو بکر بن ابیاری کے خلاف ہو گئے تھے۔

لیکن نہ شیخ ابو بکر بن ابیاریک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت ابو بکر شبلی سے جو
 کچھ اختلاف تھا۔ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت بنید بغدادی کو تھا۔ چنانچہ فرماتے تھے "مجھے
 ان لوگوں سے جو اختلاف ہے حضرت اس بنا پر ہے کہ انھوں نے اسرار الہی کے رموز
 پر مستحقین اور نا اہلوں پر فاش کر دیے۔ ورنہ جانتا ہوں کہ وہ مستدار سے قوم ہیں۔
 اور ان کی محبت کو میں قہر سے آگاہی کا ذریعہ قرار دیتا ہوں۔"

مستند الاولیاء - ۵۸۰ - عن نفحات الانس - ۱۷۸ -

عن بیقات الکبریٰ - ۱۲۴ -

علیٰ ہذا القیاس شیخ ابوالحسن صوفی قوسنجی اور شیخ ابوبکر شبلی میں بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ بلکہ بالشافیہ بحث بھی ہوئی۔ مگر یہ اختلافات اُسی قسم کے تھے جیسے کہ بعض فقہاء کو دیگر فقہاء سے ہوا کرتے ہیں جن میں کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اور جن کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اختلاف العلماء در حجتہ"۔

اسی قسم کا اختلاف اُس عہد کے ایک شیخ ابوالحسن ثنثی کو بھی شیخ ابوبکر شبلی سے رہا تھا۔ جنھوں نے اپنے شباب کے زمانے میں حضرت شبلی کو دیکھا تھا۔ اور آپ کے حلقہ و بس کے قریب کھڑے ہو کر روحانی تعلیم و تعلم کی کیفیت ملاحظہ کی تھی۔

تعلیمات کی ذیل میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اُس عہد کے امام فرائض شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ مقری نے حضرت شبلی کے اس دعوے پر کہ علم کبھی منجربہ فساد بھی ہو جاتا ہے اعتراض کیا تھا جس کا شبلی نے آیات قرآنی سے ایسا نامایان ثبوت دیا کہ سوا خاموش ہو جانے کے کچھ بنائے نہ بنی۔

اور سچ یہ ہے کہ اپنے روحانی جذبات کے جوش میں بعض اوقات آپ علم سفینہ اور کتابت کی جو مخالفت کر بیٹھا کرتے تھے اُس نے جماعت علماء کو آپ کی طرف سے ضرور بدظن کر دیا ہو گا۔ دوات کو دیکھ کے کہنا کہ اپنی سیاہی ہٹاؤ میرے لیے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔ "یا یہ فرمانا کہ جب وہ (علماء) اوراق کا علم لے کے سیر سامنے آتے ہیں تو میں خرقة کے علم سے اُن کا مقابلہ کرنا ہوں۔ علماء کی دل آزاری کے لیے تھوڑی بات نہ تھی خصوصاً اُن دنوں جبکہ حدیث کے لکھنے اور نقل کرنے کا

عہد طبقات اکبریٰ میں علامہ شعرانی "قوسنجی" کی جگہ "وسنجی" لکھتے ہیں۔ ۱۴۹۔ عہد نفحات الانس۔ ۲۱۳۔
 عہد طبقات اکبریٰ۔ ۱۷۱۔ لعلہ نفحات الانس۔ ۲۹۳ و ۲۹۴۔ عہد نفحات الانس۔ ۲۷۱۔ عہد تلخیص المیس۔

رواج ساری دنیائے اسلام میں اعلیٰ کمال دینی تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن یہ اختلافات اسی وقت تکے جب تک علما لوگوں سے سن کے بغیر دریافت کیے مخالفت شروع کر دیتے۔ اُن میں سے اگر کبھی کوئی اس حقیقت دریافت کرنے کی طرف مائل ہوتا اور خود آپ سے مل کے تحقیق کرنا تو فوراً اختلاف سے باز جاتا۔ بلکہ آپ کا معتقد ہو کے واپس جاتا۔ چنانچہ ابن بشار جو اُس زمانے کے ہاکمالوں میں تھے ابتداءً حضرت شبلی کے اس قدر خلاف تھے کہ لوگوں کو آپ سے مننے آپ کی صحبت میں آنے جانے اور آپ کی تقریر سننے سے روکا کر لے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کے پاس آئے تاکہ آپ کے علم و فضل اور آپ کے اصول و عقائد کا امتحان کریں۔ پوچھا کیوں حضرت کسی کے پاس پہنچ اونٹ ہوں تو اُن کی زکوٰۃ کیا دے؟ اس سوال پر حضرت ابو بکر شبلی نے سکوت کیا تو ابن بشار نے مکرر یہی سوال کیا۔ آخر شبلی نے کہا کہ از روئے شرع واجب تو ایک بکری ہے۔ مگر ہم سے لوگوں کے لیے لازم ہو کہ بیچون اونٹ زکوٰۃ میں دے دیں۔ ابن بشار نے کہا ”اس مسئلے میں تمہارا کوئی امام بھی ہو یا ذاتی اجتہاد ہے؟“ فرمایا ”ہمارا امام اس مسئلہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ ”اپنے عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟“ تو کہا ”اللہ اور اُس کے رسول کو شکست جواب سن کے ابن بشار بے کچھ کھٹے مٹے چپکے اپنے گھر واپس گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو حضرت شبلی کے پاس آنے سے نہیں روکا۔

بہر تقدیر حضرت شبلی سے اگرچہ بہت کچھ اختلاف کیا گیا۔ اور آپ کو مختلف صحبتوں

اور جماعتوں میں الزام دے گئے مگر آپ کے اصول تو سب اور جذبات اسی پر کوئی مخالفت نہیں غالب آسکی۔ اور آخر تک آپ اُن روزہ حدت اور اسرار معرفت کے حامل اور مبلغ رہے جو حضرت جنید بغدادی کی معرفت آپ کو اسلاف کرام سے پہونچے تھے۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمارے عہد کے پاک باطنیہ فہون تک پہونچے ہیں۔

فیض یا بان صحبت معاصرا و مرید

جو روحانی فیض حضرت جنید بغدادی سے دنیائے اسلام کو پہونچا جس کی اشاعت آج تک جاری ہے اور خدانے چاہا تو ہتی رہنا اس باقی۔ پہونچے ہیں سلسلہ کی ایک طلائی کردی چونکہ حضرت شبلی ہی واقع ہوئے ہیں امداد یزیدگان سلف کی طرح آپ کا فیض بھی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر چشم بصیرت نہ دیکھیے تو تمام اسلامی خانقاہوں کے چراغوں میں حضرت ابو بکر شبلی کے سینے کا نور بھی چمکتا نظر آئے گا۔ اسی طرح حقیقت شناسی کے کمان وجودہ موفیقہ صافی طینت کی ہوتی ہیں اکثر اوقات شیخ شبلی کا نعرہ مستانہ بھی سُن لیا کرتے ہوں گے۔ فیض یا بان کی وہ جماعت درکنار حبیبہ بواسطہ یا بعد کے زمانوں میں آیت فیض روحانی پہونچا ہم اُن خوش نصیب اور بابرکت بزرگوں کا بھی شمار نہیں کیا جاسکتے جنہوں نے اپنی آنکھ سے آپ کا جمال جہان آرا دیکھا اور آپ کے نورانی سینے کی شمع معرفت سے اپنے باطن کی شمعیں روشن کیں۔ ہاں اُن میں سوان چند مخصوص لوگوں کی فرست پیش کرتے ہیں جن کے نام ہیں علامہ سیرت معلوم ہوئے ہیں یا جن کے مبارک نام آپ کے حالات کے سلسلے میں آگئے ہیں۔

ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو آپ کے معاصر تھے۔ آپ کی طرح وہ بھی اُس دور میں مقبول و مستند خیال کیے جاتے تھے۔ اور علوم باطن کی خاصتہ بجالا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ اُنھیں آپ کے ملنے دیکھنے پاکس قسم کا تعلق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور دوسرے وہ بزرگ جو آپ کے مرید تھے آپ کی صحبت فیض میں شریک ہوئے تھے۔ اور آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہو کر اس کے مرجع مام اور منبائے تعلق بن گئے تھے۔

اول الذکر قسم کے لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:-

ابوبکر، عبدوس بن عباس بن عباد، عمری، علم قرأت کے مستن عالم تھے اور شیخ قرأت اُنے جاتے تھے۔ ساتون قرأتون سے واقف ہی نہیں مصنف بھی تھو۔ مشہور ہیں، پیدا ہوئے حضرت ابوبکر شبلی سے ملے اور چونکہ شبلی علم سے ضرور بھی سونچنے کے قابل تھے لہذا اعتراضاً کہا ”علم سے فساد کہاں؟“ اس کے جواب میں حضرت شبلی نے ایسی یہ بات انگیز گفتگو کی کہ عیش عیش کر گئے مسلمانوں میں منہ آخرت کیا۔

ابو نعفی حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر اور آپ کے ہم پایہ شاخ زمانہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا قیام مزارسان کے مستقر شہر نیشاپور میں تھا۔ حضرت شبلی نے اپنے ایک شاگرد کو جا سون کی طرح خفیہ بھیج کے ان کے ایک سال کے حالات و کیفیات اور نیز ان کے کلمات و مواظبت منگوائے تھے۔ اور پھر ان کو ملاحظہ فرما کے رائے دی تھی کہ اس شخص کی باتیں تو علم حقائق میں معجزات ہیں مگر رات کا کلام ردی اور فاسد ہے۔ اور پھر اس کے سبب کا بھی پتہ لگا لیا تھا۔ شیخ ابوعلی ذہبی

مع طبقات الشافعیہ للسیکی جلد دوم ۱۰۳۔

کی عمر پائی۔ اور شب جمعہ ۶۳۔ جمادی الاول ۲۵۳ھ کو رہ نور عالم بالا ہوئے۔
 حضرت ارجمند بنید بغدادی کے اصحاب و تلامذہ میں شمار کیے جاتے حضرت
 ابو بکر شبلی کے معاصر شاخ میں تھے شبلی کی زبان سے اکثر ان کی ثنا و صفات سنائی جاتی۔
 کیونکہ وہ ان کے کمال باطنی کے نہایت ہی معترف تھے۔ بندار بن حسین جو اس
 عہد کے صاحب باطن شاخ میں تھے ان کو خود ابو بکر شبلی سے افضل اور زیادہ عالی مرتبہ
 بتایا کرتے۔ ۲۵۳ھ میں دنیائے دنی کو چھوڑ کے عالم باقی اختیار کیا۔

ابو الحسن بن احمد بن سهل بوسنجی۔ بعض کتابوں میں بوسنجی کی جگہ دوشنبی ہے۔
 حضرت شبلی کے معاصرین و اقران میں تھے۔ اور عقیدت کثیفی ایک بڑی جماعت ان کے
 فیض صحبت سے برکت حاصل کیا کرتی تھی۔ خراسان کے ایک جو یا سے حقیقت جو ان
 تھے۔ ابو عثمان سے ملے۔ عرات میں جا کے عطاء حریری سے فیض حاصل کیا۔ شام میں
 جا کے طاہر مقدسی اور ابو نمر و دمشقی کے ایسے علمائے باطن کی صحبت میں شریک
 ہوئے۔ بعض مسائل تصوف میں انھیں حضرت شبلی سے اختلاف تھا جس کا ذکر اوپر
 آچکا ہے۔ ۲۵۳ھ میں دنیا کو رخصت کیا۔

ابو بکر عبد اللہ بن طاہر انہری۔ حضرت شبلی کے معاصر و اقران میں تھے۔ بڑے
 پائے کے لوگوں میں تھے۔ یوسف بن حسین رازی اور ابو محمد قرمینی کی سراپا فیض
 صحبتوں سے برکت حاصل کی تھی۔ ۲۵۳ھ میں رہ نور عالم بالا ہوئے۔

ابو بکر زید انباری رموی۔ حضرت ابو بکر شبلی کے ہم پایہ معاصرون اور مستند شاخ عصر

۵ طبقات الشافعیہ لبکی جلد دوم ۱۷۱ ۵ نفحات الانس ۲۲۵ ۵ طبقات الکبریٰ ۱۲۲

۵ طبقات الکبریٰ ۱۲۲

میں تھے یہ صرف میں وہ ایک جداگانہ اور خاص طریقے پر چلتے تھے۔ ان کو عام شاخ عراق اور خاصہ حضرت ابوبکر شبلی سے بعض امور میں اختلاف تھا جس کی وجہ سے شاخ عراق ان کے خلاف ہو گئے تھے۔

ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مالک۔ ہندار کے شاعر اور مرید تھے۔ گربلی کی زیارت سے شرفیاب ہوئے تھے۔ چھ اوپر سو برس کی عمر پائی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس سال انتقال ہوا۔

دوسری قسم کے لوگوں میں سب سے پہلے ہم آپ کے فرزند کا نام لیتے ہیں۔ اور ان کے بعد دیگر بزرگوں کی طرف توجہ کریں گے۔ جن کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔
یونس بن ابی بکر شبلی۔ یہ حضرت شیخ شبلی کے صاحبزادے تھے۔ جن سے آپ کی عذروت کی کیفیت ہمیں معلوم ہوئی کہ رات بھر کوٹھے پر کھڑے رہے۔ اور صبح کو شکایت کی کہ سو ایک مرغ کے رات کو مجھے کوئی اللہ کا یاد کرنے والا نہ نظر آیا۔ یونس کے حالات ہمیں اور کہیں نہیں مل سکے۔ لہذا نہ ہم آپ کا کوئی واقعہ بیان کر سکتے ہیں۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا کس سنہ میں انتقال ہوا۔

ابوبکر طسانی۔ ان کا اصلی وطن ارض فارس تھی۔ ابراہیم وبلغ شیرازی اور جناب شیخ شبلی کی صحبتوں سے فائدہ اٹھا کے اس اعلیٰ مرتبہ کمال پر پہنچ گئے کہ بلند پایہ شاخ زمانہ میں شمار کیے جاتے اور خود حضرت شبلی عزت کرتے تھے۔ سنہ ۱۰۰۰ھ میں سفر آخرت کیا۔

عہ نقبات الانس۔ ۱۰۰۔ عہ نقبات الانس۔ ۲۴۹۔ عہ۔ تلبیس البیس۔

للعہ نقبات الانس۔ ۱۰۴۔

حسین بن محمود بن موسیٰ اسلمی۔ اعلیٰ درجے کے مشائخ میں تھے حضرت شبلی کو دیکھا
 تھا اور آپ کے دیدار سے برکت حاصل کی تھی۔ سن ۳۰۰ کے بعد جاوہر پیائے آخرت ہوئے۔
 جعفر بن محمد بن نصیر بکران غلڈی نو اس و نیوری دین و نور تھا۔ مگر بغداد
 میں رہا، کے حضرت شبلی کی خدمت کرتے اور ان کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے۔
 شبلی کے آخر عمر میں ان سے اس قدر تعلقات بڑھے ہوئے تھے کہ مرض موت
 میں نہ یا وہ ترخداست ہی بجالائے۔ انھیں نے انھیں آخری وصہ دے کر لیا۔ اور
 اُس اثنا میں ان بند ہو گئی تو شبلی نے ان کا ہاتھ اپنے ماتھے میں لے کے خود ہی
 واڑی میں سج کر لیا۔ انھیں پر انھوں نے یہ راز بھی غامض کیا کہ ایک درہم کا
 مظلمہ مجھ پر باقی ہے اُس کے عوض ہزاروں درہم دے چکا ہوں مگر اُس کا بار
 دل پر سے نہیں ہٹتا۔ اور ان کے جنازے پر انھیں کے رہنے کا ارادہ ہمارے
 کا کہنا آئی ہے۔ اُس مبارک جسم بے روج پر ہزار اعلیٰ نہ ہوگی مگر ان کا
 ردنا وایت سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے دو ہزار مشائخ کے دربار
 فیض سے برکت حاصل کی تھی۔ اور سن ۳۰۰ میں آغوشِ حیات کے سپرد کیے گئے۔

ابو الحسن بندار بن حسین بن محمد بن علق شہر ازی۔ اصول دین کے عالم اور
 محدث تھے۔ اور شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ یوں تو حضرت شبلی کے
 کرامات و انبی سے ہزار ہا آدمیوں نے فیض پایا ہوگا۔ مگر ان کے ان سب میں
 ایسا امتیاز چل تھا کہ خود مرشد یعنی حضرت شبلی اپنے اس جہد سے حقیقت مرید
 کی نیابت کیا کرتے تھے۔ ابو عبد اللہ خضیف جو ایک بڑے عالمی مرتبہ صدوقی گزشتہ ہیں۔

وہ انہیں کے مرید تھے۔ علوم ظاہر اور خاصہ علم کلام میں ان کے بزرگوار تھے۔ زادہ کیا
ثبوت ہو سکتا ہے کہ امام الشافعیؒ اس متشرعین حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے شاگرد تھے۔
شیخ ابوالحسن اشعریؒ کو بد شرت و ناموری حاصل ہو محتاج بیان نہیں آئی کی حدت
میں پیشینہ شاعرین بلکہ خادک مہرچہ متوکل پھر کہاں روحانی حاصل کرنے لیے حضرت شبلیؒ کی
طرف رجوع کیا۔ اور آپ کی سرافہ پیش صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ بہرہی ان چند
خوش نصیب عقیدت کیشوں میں تھے جن کی حضرت شبلیؒ عظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور
بہ نیک یہ برگ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے غصہ و حسد میں
تھے رحمہ اللہ میں وفات پائی۔

ابوہیل شہر بن سلیمان بن ہارون بن عیسیٰ بن ابراہیم بن بشر حنفی معاری۔ ائمہ
شعوف مرقش۔ ابو علی تقفی وغیرہ سے فیض روحانی حاصل کیا تھا حضرت ابو بکر شبلیؒ سے
اہبت زیادہ فیض یافتہ ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اپنے زمانہ قیام بغداد میں میرا
کوئی ہفتہ نہر شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی میں کچھ
پوچھتا اور کبھی خالی بیٹھ کے چلا آتا۔ ایک دن شیخ شبلیؒ ابو اسحق مروزی سے ملنے کو گئے۔
اتفاقاً وہاں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کے ان سے کہا کہ کیا یہ مجھ سے لوگوں
میں ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو ہمارے لوگوں میں ہے۔ ابوہیل کا علم و فضل اس قدر مسلم
تھا کہ دوست دشمن سب مانتے اور تعظیم کرتے تھے۔ بعد جا کے نیشاپور میں سکونت
اختیار کی جہاں منقل کے دن ۱۵۔ ذی قعدہ ۳۶۹ھ کو آغوشِ حیات کے سپرد کیے گئے۔

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی خراسان کے محترم شیوخ میں تھے۔ شیخ ابوبکر
شبلی اور نیز ابوعلی رودباری اور قرطبی کے ایسے صاحب کمال صوفیہ اور علمائے
اتنی کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا حضرت شبلی کی وفات کے بتیس برس بعد
میں وطن مالوت نیشاپور کو خیر باد کہہ کے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ہجرت کر کے وہیں اقامت
گزین ہو گئے۔ انھیں سید الطائفہ بنیدینہ اوی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔
جادہ پیائے طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہر کے بھی مستند عالم تھے۔ علم حدیث
میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کثرت سے روایت حدیث کیا کرتے تھے۔ مگر باوجود
اس کے کہ علم حدیث میں اس قدر تو غفل تھا۔ اور عالی مرتبہ محدث تسلیم کیے جاتے
تھے انھیں سماع اور حال و قال کی صحبتوں سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی بنیاد پر
ان سے اور ابو عمرو بن نجید سے بحث ہو گئی جس کا ہم اس سے پیشتر تذکرہ کر چکے
ہیں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشوونما ہوا۔ اور
سلسلہ میں خاص مکہ معظمہ میں وصال ہوا۔ مگر علامہ قشیری کی روایت زیادہ
مستند ہو فرماتے ہیں کہ سلسلہ میں وصال ہوا۔ اور اسی مقدس زمین میں
آغوشِ محد کے سپرد کیے گئے۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حمدون الفراء نفحات الانس میں مولانا جامی نے ان
بزرگ کی کنیت بجائے ابو عبد اللہ کے ابو بکر بتائی ہے۔ خراسان و نیشاپور کے عالی مرتبہ
بزرگان دین اور مسلم الثبوت اولیاء اللہ میں تھے۔ ابوعلی ثقفی۔ عبد اللہ بن منازل
ابو بکر بن طاہر۔ اور حضرت ابو بکر شبلی وغیرہ مقبول و مرجع عالم شائخ کے چستانِ معارف

سے گلچینی کی تھی۔ اور اس رتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ پکٹائے عصر تصور کیے جاتے۔
 سترہویں دنیائے ناپائدار سے رخصت ہو کے رہ نور و عالم آخرت ہوئے۔
 ابو الحسن علی بن ابراہیم حصری۔ ان کا خاندان بصرہ کا تھا۔ مگر بغداد میں اقامت
 اختیار کرنی تھی شبلی کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اور انھیں کے ذریعے سے حضرت
 ابو بکر شبلی کا سلسلہ فیض جاری ہوا۔ یہ سب پہلے پہل مرید ہوئے ہیں تو معمول تھا
 کہ ہر جمعہ کو جناب شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور مرشد کی تاکید تھی کہ
 اس درمیان میں نئی جمعہ سے جمعہ تک خدا کے سوا کسی اور کا خیال بھی اٹھارے
 دل میں گزر جائے تو تمھیں میرے پاس آنا حرام ہے۔ آخر جب علوم باطن میں ترقی
 کی تو اس درجے کو پہنچ گئے کہ لوگ کہتے ہیں عجیب حالت تھی اور عجیب گفتگو
 اور سارے عراق کے شیخ سمجھ جاتے تھے۔ حضرت شبلی سے اگرچہ ہزار ہا خلقت
 فیض یاب ہوئی مگر اور سب کو صرف باتین سُننا نصیب ہوئی تھیں۔ انھیں خاص
 طور پر شاگردی کا خلعت عطا ہوا شبلی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی
 و فور محبت سے فرما دیا کرتے ”جیسا میں دیوانہ ہوں ویسے ہی تم بھی ہو۔ یہی ان کے
 علم و فضل کے وارث ہوئے۔ اور ان کی جگہ سجادہ نشین ہوئے رفیع جنبلیہ کے
 پیرو تھے۔ اور جمعہ کے دن ماہ ذی الحجہ سترہویں سفر آخرت کیا۔

ابو عبد اللہ بن ابی ذہل یہ ایک خراسان کے صاحب دل اور صاحبیت
 بزرگ تھے۔ کمال روحانی کے ساتھ عالم وثقہ تھے اور روایت کیا کرتے تھے چار سال تک حضرت شبلی کی خدمت
 کی۔ مگر ادب و تعظیم کا اس درجہ لحاظ تھا کہ انھوں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی سہوا

نہیں کیا۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر حضرت شیخ جو جواب دیتے اسی سے یہ بھی فیض و
برکت حاصل کرتے۔ (مثنوی) نے بہت سامان بھی حضرت شبلی کی نذر کیا تھا جس کی
وسہ سے شیخ شبلی ان کو "ہواد خراسان" کہا کرتے تھے۔ بے سمجھ حال آنے پر جو بعض
ہو تھے اس کا ثانی جواب جو کسی کے پوچھنے پر حضرت شبلی کی زبان فیض ترجمان
سے ظاہر ہوا تھا وہ مین انھیں کی سنائی و روایت سے معلوم ہوا۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔
کو ابو عبد اللہ بن ابی ذہل نے سفر آخرت کیا۔

ابو ہشیم محمد بن احمد بن اسماعیل بن ہمعون جو عمومتاً ابن ہمعون کے لقب سے
مشہور تھے حضرت ابو بکر شبلی کے زمانے میں ان کا بچپن تھا۔ ایک دن ایک سائبر
مکتف بالکلی ٹوپی پہنے ہوئے بغداد کی جامع مسجد میں گئے حضرت شبلی اپنے حنفیوں کے
مکتف مین بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پاس سے ہو کے گزر رہا کہ شبلی نے کو سلام کیا۔ ان کی اشارت سے
ان کی پشت دیکھ کے اپنے خادم ابو بکر صفہانی سے فرمایا "باسمہ علی ہو کہ اس بچے
میں نذا کے کیسے کیسے ذخیرے جمع ہیں۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ان کا
علم و فضل اس درجے کو پہنچ گیا کہ ان اناطی بالحدیث کے محترم لقب سے مشہور ہوئے۔
۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔

مصارف حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اُس پر طنز ہوا کہ فوج انہا سے واپس آئی۔
 تو اُس کی سالانہ تنخواہ میں دو لاکھ چالیس ہزار اشرفیوں کی رقم اور اضافہ کر دی گئی۔
 خلیفہ کی اس نامعاقبت اندیشی پر وزیر علی بن عیسیٰ نے استیفاء یا تو غیثۃ المتمدنہ اللہ
 نے کہا میں تو آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پھر آپ کیوں غلچہ ہوئے جاتے ہیں؟
 علی بن عیسیٰ نے اپنی ضعیفی و ناتوانی کا عذر کر کے پھر اصرار کیا تو استیفاء منظور ہوا
 اور خدمت سے الگ ہوتے ہی وہ اور اُس کا بھائی عبدالرحمن بن علی گرفتار
 کر لیے گئے۔ وزیر علی بن عیسیٰ کی بنک نفسی کا ایک نمونہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی
 کی بیماری کا حال سنا تو خاص شاہی طبیب کو جو عیسائی تھا حکم خلافت اُن کے علاج
 پر مامور کیا اور وہ اُن کی تلخیص سے مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

ابو الحسن ثقلی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے شرفیاب ہوئے تھے۔ اور بعد کے
 زمانے میں لوگ ان کی زبان سے شبلی کے حالات سنا کرتے تھے چنانچہ شیخ
 ابوسعید ابوالخیر ان سے ملے لگے۔ اور کسی فقیہ کے ریا و دلانے پر شبلی کے چشم دید حالات
 سننے کے شائق ہوئے۔ انھوں نے بے ادبی خیال کر کے پہلے تو جناب رسالت مآب
 صلعم کا ایک واقعہ بیان کیا اور اُس کے بعد حضرت شبلی کا ہر پُر اثر واقعہ بیان کیا
 کہ کسی نے اُن سے "وصل" کی حقیقت دریافت کی تھی یہ سنا تو انھوں نے
 کی کہ سب سامعین کو بتایا کہ دیا اور خود بھی غش کھاسے گر پڑے۔

ابوالعباس دامغانی۔ ان بزرگ کے بھی زیادہ حالات میں مذکور ہو سکے۔
 صرف اتنے قدر جانتے ہیں کہ حضرت شبلی نے ایک مرتبہ نصیحت لی تھی کہ خلوت

اختیار کرو۔ لوگوں کے درمیان سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ پھیر کے
 بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ موت آ پہنچے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کسی
 نے اس نصیحت پر عمل کیا ہو (اور ہمیں یقین ہے کہ ابو العباس دامغانی نے ضرور
 عمل کیا ہوگا) وہ کمالات روحانی میں کس درجے پر پہنچ گیا ہوگا۔

ابو عبد اللہ رازی ابتداء حضرت شبلی کی محبت سے فیض اٹھاتے تھے۔ پھر
 شہر نیشاپور میں جا کے اقامت گزین ہو گئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہیں ایک صاحب
 کی فیاضی سے ایک صوف کا کپڑا پہننے کو مل گیا تھا۔ اُس کے بعد انھوں نے حضرت
 ابو بکر شبلی کے سر پر ایک اچھی ٹوپی دکھی۔ اور دل میں کہا: ٹوپی میرے کپڑے کا
 جوڑ ہے۔ میرے پاس ہوتی تو کیا اچھا تھا۔ حضرت شبلی ان کے دل کی حالت پہچان
 گئے۔ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ اور وہاں ان کا صوف کا کپڑا اور اپنی ٹوپی دونوں
 کو ایک میں لپیٹ کے آگ میں رکھ دیا۔

استاد ابو علی وفاق۔ نامی گرامی صاحب دل تھے حضرت شبلی کے مرید ابو القاسم
 نصر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور انھیں کی بارگاہ معرفت کے فیض یایون میں ان کا
 شمار ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے علم تصوف کو نصر آبادی سے انھوں نے
 شیخ ابو بکر شبلی سے انھوں نے جنید بغدادی سے انھوں نے سری سقلی سے۔ انھوں نے
 معروف کرخی سے اور انھوں نے داؤد طائی سے حاصل کیا جو تابعین یعنی صحابہ رسول اللہ
 صلعم سے فیض اٹھانے والوں میں تھے۔ انھیں سے مروی ہے کہ شبلی شب بیداری
 کے لیے آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگا کر تے تھے۔

عبد الرحمن خراسانی جن خراسانی لوگوں کو بغداد میں حضرت شبلیؒ کی محبت سے متاثر ہوئی اور ان سے فیض پہنچا ان میں سے بھی تھے۔ انھیں کا بیان ہے کہ کسی نے حضرت شبلیؒ کے دروازے پر دستک دی۔ سنگے سے اور سنگے پاؤں نکلے۔ اس سنان کا نام لے کے پھینکا وہ کہاں میں؟ کہا توہ کاغذ مر اٹھا اس پر دم نہ کرے۔ ایک دفعہ شبلیؒ جو چین آئے خود ان سے پوچھ بیٹھے تھے کہ شبلیؒ کے سوا کسی اور کو بھی کبھی اللہ کہتے دیکھا ہے؟ انھوں نے بے تکلفی سے کہا ”شبلیؒ کو تو یہی بھی اتنے کہتے نہیں سنا۔“ اس جواب نے ایسا اثر کیا کہ شبلیؒ غش نکھا کے گر پڑے۔

شیخ احمد اسے آبادی حضرت شبلیؒ کی صحبت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور خراسان کے شیخ باطن سلیم کہے جاتے تھے۔ ایک دن شبلیؒ نے اپنے ہاتھ سے ان کی شارت کھولی یعنی لبین کتر دی تھیں۔ اس کو اپنے لیے اتنا بڑا سراپہ برکت خیال کیا کہ کچھ کسی کو جو جہوں میں ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ ایک عجیب حیرت انگیز اور حد متع سے زیادہ واقعہ ہے۔ مگر فقر اور صاحب باطن لوگوں سے کبھی کبھی ایسی بے اعتدالیانہ ہو سکتی ہے۔ جو جایا کی بن۔ جو ان کے سچے جوش اور مت خیر کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ ہائے شانہ کی درگاہ میں قابل معافی ہوں گی۔

ابو مقاتل احمد بن مقاتل علیؒ حضرت شبلیؒ کی محبت فیض سے اکثر برکت حاصل کیا کرتے۔ انھیں نے ان کو جو پینے سے بھجودن کے بال اٹھاڑنے دیکھ کے سوا کیا تھا اور یہی ایک مرتبہ صمدی شبلیؒ کے برابر کھڑے ہوئے ناز پر رہے تھے کہ امام نوآوریؒ فرماتے ہیں: وَلَنْ تَبْتَائِدَ هَلْ بَالِدِي وَتَحْيَا اَيْلَتِ شَنْ كَعِ وَدَبَّ اَخْتِيَارُ هُوَ كَعِ اِسْتَعْمَلُ

زیادہ ان بزرگ کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

ابو الحسن مروارودی۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد میں صحبت شہلی سے فیض اٹھاتے تھے۔ انھیں نے پوچھا تھا کہ "اکرم الاکرمین" کسب فیاضوں سے بڑا فیاض کون ہے؟ فرمایا "وہ جس نے کسی خطا پر ایک شخص کو معاف کر دیا تو پھر اس گناہ کی وجہ سے کسی پر عذاب نہ کرے گا۔"

ابوبکر صید لانی۔ یہ بھی خاک فارس سے ظاہر ہوئے۔ اور عراق و بغداد میں آکے حضرت شہلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جناب شیخ شہلی ان کی بھی تعظیم و تکریم کیا کرتے۔ مگر آپ کے بعد واپس جا کے نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ جہاں انتقال کیا۔ اور آغوشِ احد کے سپرد کیے گئے مہ

ابو محمد بروی۔ حضرت شہلی کے انتقال کے وقت یہ اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ شب وصال کو رات بھر موجود رہے۔ اور کہتے ہیں کہ شہلی کا ساری رات یہ عالم تھا کہ بار بار دوشعر پڑھتے جو وفات کے حالات میں بیان کیے جائیں گے۔

بکیر دیوری اب کے مرید اور آپ کے خادم تھے۔ مرض موت میں آپ کے پاس حاضر تھے۔ انھیں سے آپ کے انتقال کے چند حالات مروی ہیں۔ ان کا سنہ وفات یہیں نہیں معلوم ہو سکا۔

ابوبکر اصفہانی۔ ان کو بہ شرف حاصل تھا کہ حضرت ابوبکر شہلی کے خادم تھے اس کے سوا ان کا اور کچھ حال نہیں معلوم ہو سکا۔

عہ نفحات الانس ۲۶۰۔ عہ نفحات الانس ۱۷۹۔ عہ رسالہ کشمیریہ ۱۷۹۔

للعہ روض الیاسین ۱۹۰۔ و نفحات الانس ۱۷۷۔ عہ نفحات الانس ۲۲۱۔

فاطمہ نیشاپوریہ۔ یہ خاتون بھی حضرت شبلی کے فیض روحانی سے بہرہ یاب ہوئی تھی۔ اور غالباً آپ کی خواہش تھی۔ جب حسین بن منصور علانی کی نسبت علما نے قتل کا فتویٰ دیا ہے اور ان کی نسبت لوگوں میں طعن کے خیالات مشہور ہو گئے ہیں تو حضرت ابو بکر شبلی سے اس خاتون کی معرفت ان سے چند سوالات کے جواب طلب کیے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ چند اور مجتہد نام بھی ہیں جن کے مختصر عالمی ہیں نہیں معلوم ہو سکے مگر آپ کی صحبت فیض میں کہیں نہ آگئے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ ان کے قائل قدر مامون سے بھی ہم ناظرین کو محروم نہ رکھیں۔ لہذا ان کی مختصر فہرست بھی پیش کئے جاتے ہیں (۱) احمد بن محمد بن زبیر جنسین آپ نے عارف کی بتائی تھی۔ (۲) محمد بن محمد بن عبد الوہاب جن کے سامنے آپ نے فرمایا کہ معرفت کیا چیز ہے۔ (۳) منصور بن عبد اللہ جن کو آپ سے معلوم ہوا کہ شان محبت کیا ہے (۴) ابو علی مغازی جنھوں نے اپنے اوپر آیات قرآنی کے اثرات کو حضرت شبلی کے سامنے بیان کر کے جواب شافی پایا۔ (۵) عبد اللہ بن علی جن سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ معاف نے شبلی پر کیا اثر کیا تھا۔ (۶) ابو عمران جو علمائے زمانہ میں تھے۔ شبلی کے حلقہ فیض کے برابر جامع بغداد میں بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے۔ اور جو ایک مسئلہ فقہی میں حضرت شبلی کی تحقیقات سن کے حیران ہو گئے تھے۔ (۷) ابو بکر رازی جن سے روایت ہے کہ شبلی نے علما کے علم کو باعث فساد بھی خیال کیا۔ (۸) ابو الحسن سبکی جنھوں نے ایک بار حضرت شبلی کو مستانہ وار چند اشعار پڑھتے سنا۔ (۹) طاہر نعمی ان سے بھی شبلی کی شعر خوانی

مرومی ہے۔ (۱۱) ابن بشار جو لوگوں کو شبلی کی صحبت میں آنے سے روکتے تھے اور پھر ایک مرتبہ مل کے ایسے معتقد ہوئے کہ اس سے باز آ گئے۔ (۱۲) حسین بن منصور خلج جو علماء کے حکم سے قتل ہوئے۔ اور جن کا مختفہ حال حضرت حنفیہ کی سیرۃ میں لکھا جا چکا ہے۔ (۱۳) شیخ ابو زریعہ رازی۔ (۱۴) شیخ ابو نصر تائی۔ (۱۵) حسین بن محمد اصغار جن کے ہاتھ میں دو اوت دیکھ کے شبلی نے فرمایا تھا کہ اپنی سیاہی بٹاؤ۔

ان کے سوا اور خدا جانے کتنے گران پائے و ماضی و پیش ہاں ان صحبت ہواں کے جن کے نام ہم نہیں جانتے مگر اس فرست کے خاتمہ پر ہم فائز اور ذی مغفرت ہیں انھیں بھی شریک کر کے درگاہ رب الغرت میں عرض کرتے ہیں کہ خداوند ارحم الراحمین فضل و کرم سے تو ان سب کی مغفرت کر۔ اور ہمیں ان کے نقشب قائم پوینا۔

وفات

مومن کی وفات کیا۔ ایک قیدی تھا جو قید خانہ سے چھوٹا۔ از الشش کا وہ دنیا کے آلام و مصائب سے اُسے نجات مل گئی خصوص اُس مومن پاک طینت کی وفات جو "موتوا قبل ان تموتوا" کے سچے مہول پر عمل کر کے اپنی ہستی پہلے ہی شہا چکا ہو۔ اور توحید کی دھن میں فنا ہو کے ایسا مٹ گیا ہو کہ اُسے اپنی زندگی و موت کا امتیاز ہی نہ باقی رہا ہو۔ مگر لوگوں کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ ایک سولی کامل اور ست جام الست کی موت کیسی ہوا کرتی ہے۔

شیخ ابو بکر شبلی کی موت جو ان کی نظر میں نہیں صرف ہمارے خیال میں موت ہے نہایت ہی اطمینان و سکون کی موت تھی۔ وصال کا زمانہ قریب آیا تو بار بار

ان مبارک سے یہ کلمات نکل جائے کہ بہت سے مقامات ہیں کہ اگر وہاں میں مرنے والوں کے لیے ایک عذاب و مصیبت ہو جاوے جس دن ستر آخرت کی برائی پہلی شب کو ساری رات بار بار یہ شعر زبان سے نکل جاتا تھا۔

محدث الما مولد حسا یوم ثانی الناس النجی

ترجمہ: جو اسید کا سہارا اس روز ہماری محبت مولا جس دن سب لوگ اپنی قبریں لے کر حاضر ہونے

الوہی۔ آپ کے باوجود عقیدت پیشوں میں تھے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "میں" میں ٹھیکار ما اکثر انھیں دو شعر پڑھتے سنتا تھا جن میں دوسرا یہ تھا اور پھر تھا کہ۔

کل یہاں ساکنہ غیر محمد ساج الہ الشہ

ترجمہ: یہاں تو رہتا ہواست چراغ کی ضرورت نہیں یعنی تیرا رخ روشن چراغ بن گیا۔ اکام سے سے تھا۔

اس واقع پر آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی جو آپ کے روحانی کمالات کے دیکھنے والے نہیں۔ آپ کے حام اور مرید تابعین کہتے ہیں حضرت ابو بکر شبلی مرض موت میں مبتلا تھے کہ اتفاقاً جمعہ کا روز آیا۔ اور مرض میں تونہ تخفیف نظر آئی۔ بچھوٹے اٹھے۔ اور دیندار ہی کے جوش نے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ بچہ پر سہارا دے کے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔ کتب فروشوں کے بازار تک پہنچے تھے کہ ایک تازہ وار دتھن راستے میں ملا

جوڑ صاف سے آیا ہوا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا "کل مجھے اس شخص سے ایک سابقہ پڑے گا"۔ میں نے اس بات کا کوئی خیال بھی نہیں کیا۔ اور انھیں جامع مسجد میں لے جا کے نماز پڑھائی۔ پھر گھر میں لایا۔ خدا کی قدرت اُسی رات کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اور کسی اچھے غسل دینے والے کی تائین ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ بھشتیوں کے محلہ میں ایک نیک نفس و پرہیزگار شخص ہے جو غسل میت دیا کرتا ہے۔ میں فوراً اُس کے لانے کو روانہ ہوا۔ اور لوگوں نے مجھے اُس دروازہ پر لہجہ کے کھڑا کر دیا۔ میں نے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی۔ پھر آواز بلند کرنا "السلام علیکم" فوراً اندر سے یہ آواز آئی "کیا شبلی کا انتقال ہو گیا" میں نے کہا "ہاں" یہ جواب سنتے ہی وہ اندر آیا اب جو صورت دکھتا ہوں تو وہی شخص ہے جس کی طرف کل حفتہ شیخ نے اشارہ کیا تھا دیکھتے ہی میرے دل پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ بے اختیار منہ سے نکلا "لا الہ الا اللہ" اُس نے بھی کہا "لا الہ الا اللہ" پھر پوچھا "اب کو حیرت کس بات پر ہے؟" میں نے کل کی ساری سہولت بیان کی اور پوچھا "آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کیونکر معلوم ہو گئی؟" اُس نے کہا "عجب احمق ہو۔ آخر شبلی کو آج کے سابقہ کی کیونکر اطلاع ہو گئی تھی؟"

جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی اور وصال کی گھڑی سرپاگئی تو آپ کی بقراری بڑھی۔ وہ فنائیت جو مخلوقیت کی طرف آنے ہی نہ دیتی تھی ذرا کم ہوئی۔ کیونکہ ضرور تھا کہ آپ کو جام مرگ پلایا جائے اور اُس کے مزے کو آپ حکمکن۔ اس حالت میں آپ کو اپنی انسانیت اور معاصی کا خیال آیا۔ فرمایا "وہو این چل رہی ہیں"

ابن لطف اور دوسری قہر کی۔ جس پر لطف کا جھونکا چل گیا وہ مفسود تک پہنچ گیا۔ اور جس پر قہر کی ہوا چلی حجاب بین گرفتار ہو گیا۔ ویسے اب وقت ہوا ہے لطف آتی ہے یا ہوا ہے قہر۔ اگر ہوا ہے لطف کا جھونکا آیا تو اس کی امید یہ ہے کہ طرح کی سختیاں اور ساری نامرادیاں برداشت کر سکتا ہوں لیکن اگر کہیں ہوا قہر چل گئی تو کیا گذرا ہوا۔ اس کی آفت کے سامنے کسی سختی اور ہلاکی ہستی ہیں۔

ابن نعیم کا عالم طاری تھا۔ لوگوں نے کہا "کیسے لا الہ الا اللہ" جو اب میں ایک نظم پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ "سلطان محبت رشوت نہیں قبول کرنا" لیکن باوجود اس نفی و اور دیر پائے توحید میں غرق ہونے کے دیندار ہی کی حسن اس قدر صحیح تھی کہ بیمار دارون کی طرف دیکھ کے فرمایا ایک درم کا خطبہ مجھ پر باقی جو اس کے لیے سزاوارہ دارون درم خرچ کر چکا ہوں۔ مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔

چونکہ سب کو آپ کے انتقال کا یقین ہو گیا تھا اس لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ اس امر کو آپ سمجھ گئے اور ان لوگوں کو دیکھ کے فرمایا "عبرت کی بات ہے کہ مردوں کی جماعت زندہ کی نماز پڑھنے کو آئی ہے" حقیقت شناسوں کے یہ دنیوی زندگی موت ہے اور اس عالم کی ابدی زندگی حیات۔ یہ یقین آخری سانس تک آپ کے دل میں تھا۔ اور واقعی اس جملہ کا حاضرین بڑا اثر پڑا ہوگا۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ خدا کے پاس جانے اور دربار رب العزت میں حاضر ہونے کا وقت آگیا جعفر بن نصیر بکران دینوری کی طرف دیکھ کے فرمایا "مجھے دھوکا دے۔"

انھوں نے فوراً تعمیل ارشاد کی مگر ڈاڑھی میں خلل کرنا بھول گئے لیکن اتنی دیر میں آپ کی زبان بند ہو چکی تھی جعفر کا ہاتھ پکڑ کے خود ہی خلل کر لیا۔ آپ جو دیکھا تو بالکل ہی آخری وقت تھا جعفر بے اختیار رونے لگے اور ایک آہ کے ساتھ کہ اُس شخص کا کیا کہنا جس نے مرتے دم تک آداب شریعت میں سے ایک چیز بھی نہیں چھوڑی؟

آپ اس وقت کلمہ توحید کی تلقین کرنی چاہی اور عرض کیا کہ کہتے لا الہ الا انت زبان نے اتنی یاری دی کہ فرمایا جب غیر نبی نہیں تو نفی کس کی کروں؟" لوگوں نے عرض کیا "حکم شریعت یہ نہیں ہے۔ آپ کلمہ پڑھیں" پھر وہی پہلا جواب دیا کہ سلطان محبت کتاب میں رشوت نہ قبول کروں گا" اس وقت کسی شخص نے زیادہ بلند آواز سے کہا کہیے "لا الہ الا انت" بولے ایک مردہ زندہ کو تلقین کرنے آیا ہو" ایک ذرا خموشی رہی۔ اور ایک گھڑی بعد لوگوں نے پوچھا "اب مزاج کیسا ہے؟" فرمایا "محبوب کے جال" اور اسی فقرے پر روح قفس عنقریب سے پرواز کر گئی جسے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۳۳۳ھ میں برہن پورا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی عمر بھی پوری ہو گئی۔ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے کو دو ہی دن باقی تھے کہ جمعہ کا دن آگیا۔ اس سال کے اندر اب دوسرا جمعہ ملنے کی امید نہ تھی لہذا آپ نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا فرمائی اپنی میت ہلال نیوالی کی صورت دکھائی۔ اور دن کے ختم ہوتے ہی دیکھ بے بقا و فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے بمقابل اپنے مرشد جنید بغدادی اور دیگر مشائخ زمانہ کے بہت

زیادہ عمر پائی۔ کیونکہ ۸۷ برس پہلے اور بغداد کے مقبرہ خیزران میں دفن ہوئے۔
 لوح تربت پر آپ کا نام جعفر بن یونس گذرہ تھا۔ مگر اکثر علماء سیرۃ نے
 آپ کا نام ولعت بن جعفر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نام ہوں۔ جیسا کہ ہم قبل
 میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے مزار کی نسبت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ فی الحال
 کس حالت میں ہے۔ اور آج کل اجداد میں قبرستان خیزران کا بھی پتہ ہی نہیں
 لیکن قدیم ایام میں مدت دراز تک پتہ لگتا ہے کہ لوگ زیارت کو جاتے اور روحانی
 فیض و بکیت حاصل کرتے تھے۔

اکثر بزرگان دین اور اہل طریقت نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو
 خواب میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی وہی شان جوش و خروش اور ذوق و شوق کے
 جذبات نظر آئے۔ پناچہ ایک شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تو اس نے
 پوچھا ”آپ نے آخرت کے بازار کو کیسا پایا؟“ فرمایا ”بالکل بے رونق۔ سواہلے
 ہوئے کلیجوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے کچھ نہیں نظر آتا۔ وجہ یہ کہ بیان تو جیلے
 کلیجوں پر مرہم رکھا جاتا ہے۔ اور شکستہ دل جوڑے جاتے ہیں۔ پس اس کے
 سوا بیان والوں کا اور کوئی کام ہی نہیں۔“

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا ”منکر و نکیر سے کیونکر بچٹی؟“ بولے
 ”انہوں نے پوچھا تیرا خدا کون ہے؟ میں نے کہا وہ جس کے حکم سے تم نے اور تمام
 فرشتوں نے میرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا میں انہیں آدم کے

عہ ابن خلکان - جلد اول - ۲۲۵ - عہ نفحات الاش - ۱۷۲ - عہ طبقات الکبریٰ ۱۳۲

للع تذکرۃ الاولیاء - ۲۰۸ -

مُکَلَّب میں تھا اور تھیں دیکھ رہا تھا۔ یہ جواب سُن کے وہ بولے اس نے تو ساری
نسل آدم کی طرف سے جواب دے دیا۔

کسی اور نے دیکھا تھا۔ پوچھا "اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"
فرمایا اس نے اسی پونچھ گچھ کی کہ مین مایوس ہو گیا تھا۔ اور مجھ کوئی امید نہ تھی
نہیں نظر آتی تھی۔ لیکن آخر کو جب میری مایوس دیکھی تو اپنے آغوشِ رحمت میں
لے لیا۔

اسی صبح ایک اور صاحب نے آپ کو خواب میں دیکھ کے یہی سوال کیا کہ
”خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو بے باوجود اُن تمام دعوؤں کے جو مجھ سے
ظاہر ہو اُترتے تھے اُس نے کسی بات کا مطالبہ و محاسبہ نہیں کیا۔ لیکن ایک روز
میں کہ بیٹھا تھا اس سے بڑھ کے کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تو بہشت سے باز رہے اور
دو نرخ میں جائے۔ میرے اس فقرے پر عتاب کیا۔ اور ارشاد فرمایا سب سے بڑا
نقصان یہ ہے کہ لوگ میرے دیدار سے محروم رہیں اور محجوب ہوں۔“

آپ ستمِ مہین پیدا ہوئے تھے جس سال کہ خلفائے عباسیہ میں سے المتوکل
علی اللہ مارا گیا اور المقتدر نے سرِ خلافت پر قدم رکھا۔ اور وفات سال ۳۲۰ھ میں
ہوئی جس سال کہ المستکفی باللہ سرِ خلافت سے اتارا گیا۔ اور لمطیع اللہ تاجِ خلافت پہنا۔
اس سناسی پر سون میں خلافت نے بڑے بڑے کھائے تھے۔ آل عباس کے بارہ ہاشمی خلیفہ
نخست بریٹھے اور اترے خصوص آپ کی ولادت کے زمانے میں ایسی سرِ عسکری تغیر
ہوئی تھی کہ جب تک آپ نو برس کے ہوئے ہوں چار خلیفہ تخت سے جُدا ہو چکے تھے۔

اس کے بعد تخت و تاج خلافت کو ذرا استقلال حاصل ہوا تھا۔ مگر آپ نے
 آخر زمانے میں یعنی سلسلہ ۱۰۷۱ھ اور ۱۰۷۲ھ میں عباسی تاجدار تخت سے اتارے اور
 کمال بے رمی سے اندھے کیے گئے۔ اول الذکر سال میں قویہ ہوا کہ خلیفہ المستنصر
 کشتیوں پر سوار ہو کر رقد سے بغداد آ رہا تھا۔ خدیو نام ایک مقام میں ٹھہر گیا
 اور ترکون کا امیر عظیم تورون جسے المستنصر نے امیر عراقی کا خلافت چھایا تھا تجزیہ
 کے ہائے سند یہ مین آ کے اُس سے ملا۔ جہان غم نام ایک عورت کی سازش سے
 اُس نے خلیفہ کی آنکھوں میں سلامی پھیر دی۔ اور اُسے اندھا بنا کے المستنصری باللہ
 کے ہاتھ پر بیت کر لی۔

تورون تو دوسرے سال یعنی سلسلہ ۱۰۷۳ھ کے شروع ہی میں مر گیا۔ لیکن اب
 بغداد پر مغرالدولہ بن بویہ کا عمل دخل تھا جس کے آتے ہی مارے ڈر کے خود خلیفہ
 المستنصری چھپتا پھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ وحشت کم ہوئی۔ خلیفہ مغرالدولہ سے ملا بیعت
 لی۔ اور اُسے دوست بنایا۔ مگر اہل بغداد پر سب سے بڑی یہ آفت نازل تھی کہ خود
 مغرالدولہ تو خلیفہ کا ہمان ناخواندہ بنا ہوا تھا۔ اور اُس کے لشکر جبر و قہر اُرعایا
 بغداد کے ہمان بنائے گئے تھے۔ جس آفت سے بغداد والوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑا
 تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں اُسی عورت علم نے جو اب المستنصری کی نفس ناطقہ اور دہانہ
 پر چھائی ہوئی تھی۔ یوان خلافت میں ولیوں اور ترکون کی ایک دعوت کی۔ سچ
 مغرالدولہ کو یہ بدگمانی ہوئی کہ علم فرج والوں کو میرے خلاف ابھار رہا ہوتا
 ہے۔ اس کے بعد المستنصری نے امتحالت کے لیے مغرالدولہ کو خود ہی بلا بھیجا۔ ۲۲۔
 جمادی الآخر کو وہ یوان خلافت میں آ کے شان و شکست سے بیٹھا۔ حاکم خراسان

کا سفیر بھی حاضر رہا تھا کہ چاکر ایک دو دو لمبی نقیب نکل جاتے ہوئے آئے اور
 قلعہ کے ہاتھ کی طرف بڑھے۔ دستکشی تھجا کہ دست بوسی چاہتے ہیں۔ آپ ہی اپنا
 ہاتھ بڑھا دیا۔ اور انھوں نے بجائے دست بوسی کے خلیفہ کو ہاتھ پکڑ کے تخت
 سے کھینچ کے نیچے گرا لیا۔ پھر اسی کے عمامہ سے اُسکی گردن باندھی۔ اور مرزا کو
 کے گھر میں پکڑ لے گئے۔ ساتھ ہی ایوان خلافت اس طرح لوٹا گیا کہ کوئی ادنیٰ
 چیز بھی نہیں باقی رہی۔ ابوالحسن شیرازی جو دستکشی کا کاتب تھا وہ بھی قید کر لیا گیا۔
 علم کی جو محل خانہ کی داروغہ تھی زبان کاٹ لی گئی۔ اور مطبعہ شہر کے ہاتھ پر
 نہ سنا کر کے غریب تکھی اُس کے حوالے کر دیا گیا جس نے سنگدلی سے اُسے
 سارا ہاتھ پیر کے اندھا کر دیا۔

یہ واقعہ ہنگامہ مصیبتیں اور آفتیں تھیں جنھیں حضرت شبلی نے وفات
 سے پہلے سہا کیا تھا۔ مگر اُن کی تو خدا سے لگی ہوئی تھی ان معاملات کا اُن پر
 کوئی اثر نہ ہو گا۔ اور شاید انھوں نے خیال بھی نہ کیا ہو کہ بغداد میں
 یہ واقعہ ہوا ہے۔

یہ بھی سلطنت اور حکومت کی باتیں تھیں جن سے سوامعززین سلطنت کے
 یا کو کم دخل ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت شبلی کی وفات کا زمانہ سلطنت ہی
 کے لیے انہیں رعایا کے لیے بھی قیامت خیز اور سخت آفتوں کا زمانہ تھا۔ کیونکہ
 اس زمانہ میں ایسا سخت قحط پڑا جیسا کہ اور کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ خدا کی
 سے یہ حالت ہو گئی کہ لوگ مردار جانوروں کو کھانے لگے۔ بہت سے لوگ

کشتون اور بیون کو پڑ کے کھا گئے۔ بعض لوگ اس درجے تک عبرت روزگار بنے کہ خود اپنے بچوں کو بھون کے کھاتے ہوئے پائے گئے۔ جب اور بچے نہ ملا تو لوگوں نے کانٹے کھانا شروع کیے جس کی وجہ سے امراض اور اہرام کی نشہ ہوئی۔ اور ہر گلی کو بچے مین موت کا بازار گرم ہو گیا۔ سچی کہ مردوں کو دفن کرنا نہ ہوتا تھا۔ لاشیں باہر پڑی سڑتیں اور سگے اور جانور اٹھیں بوج بوج کے کھاتے۔ آخر بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کے بصرے کی طرف چلے۔ کہ شاید وہاں اس عذاب الہی سے بچ سکیں۔ مگر ان مین سے اکثر تو راستے ہی مین مر گئے۔ اور جو زندہ پہونچے وہ بصرے پہونچے مرے۔ جان پر کوئی نہ سکا۔ خلاصہ یہ کہ بغداد مین مکان اور جائیداد مین ایک ایک ٹکڑے پر بک گئیں۔

معرفین کمال

باوجود ان شدید ترین مخالفتوں بلکہ عداوتوں اور آزار۔ سانیوں کے بن کا ذکر ہو چکا ہے آپ کے کمالات باطنی کی خاص کرامت تھی کہ مخالفوں مین جس قدر جوش مخالفت بڑھتا اس سے زیادہ زمانہ آپ کے موافق اور آپ کے فضل و کمال کا معرفت ہوتا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ ابن ہشام اور ابوبکر مرقی کے ایسے مستند اور مشہور زمانہ علما اختلاف و اعتراض کرنے کے لیے آئے اور جب آپ کی تقریر سنی تو اپنے شکوک و شبہات سے باز آ کے حلقہ گوش عقیدت ہو گئے جامع بغداد کے اندر جن محترم فضل کے تلامذہ نے امتحان لینے کے طریقے

سے فقہی مسئلہ پوچھا تھا وہی آپ کی وسیع معلومات اور آپ کا تجرملی دیکھ کے اس درجہ عیش کر گئے کہ اٹے معذرت خواہ ہوئے۔ اور اقرار کر لیا کہ آپ کی تقریر سے ہمیں وہ باتیں معلوم ہو گئیں جو ہمیں معلوم تھیں۔

وہی سلطنت جس نے مشائخ صوفیہ کو مجرم قرار دیا تھا۔ حضرت حنید بغدادی جس کے خوف سے بظاہر فقہیہ اور باطن میں شیخ باطن بنے رہتے تھے جس نے نوری کو باز پر کیا۔ جس نے خود حضرت شبلی کے دوست حسین بن منصور کو نہایت عبرت ناک طریقے سے قتل کیا اسی کی یہ حالت تھی کہ جب یہ بیمار ہوئے تو وزیر سلطنت عیادت کو آیا۔ اور شاہی طبیب کو خلیفہ سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے آپ کے علاج کے واسطے مامور کیا۔

دیگر ممالک اور بلاد کے مشائخ آپ کے خلاف ہوئے تو عراق کے تمام مشائخ اور ذوق یا بانِ معرفت آپ کے طرفدار اور اُن کی تردید پر آمادہ ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے جذبات کو علانیہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اس نظر میں سچائی اور راست بازی تھی۔ یہ صرف راستبازی ہی کی برکت تھی کہ جو مسائل آپ کی زبان سے اور آپ کی صحبت فیض میں سنے جاتے چاہے کیسے ہی نہئے اور انوکھے ہوں اور علمائے زمانہ کو اُن سے چاہے کیسی ہی وحشت ہوتی ہو مگر آپ کی زبان سے وہ ایسے صدق اور خلوص سے نکلتے تھے کہ اپنا معجزہ نما اثر کو دکھاتے۔ اور دشمن کو بھی اسیر دام عقیدت کر لیتے۔

اسلام کی اشاعت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کو خاص دخل تھا جس وقت تک آپ ایمان نہیں لائے صحابہ کعبہ میں جا کے

علامیہ عبادت نہ کر سکتے۔ اور علیٰ رسولی الاشہاد و اعتراف توحید کی اُنھیں جرأت ہو سکتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے دینِ برحق کے قبول کرتے ہی فرمایا کہ جب کفارِ علامیہ کفر و شرک کے رسوم کو بجالاتے ہیں تو ہم خدا سے واحد و الجلال کی عبادتِ علامیہ کیوں نہ کریں۔ اور اُسی وقت جاکے کعبہ میں نماز پڑھیں۔ اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی بنیاد پڑھ گئی۔

یہی شانِ اصولِ معرفت کے اظہار اور رموزِ حقیقت کی تبلیغ میں جناب شیخ ابو بکر شبلی سے نمایاں ہوئی آپ کے زمانے تک اصولِ تصوف کی تلقینِ مخفیہ طور پر کی جاتی تھی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اُن کے انفرادی بیان تک کوشش کرتے کہ دروازہ مقفل کر کے گنجی زانو کے نیچے رکھ لیتے تو زبان کھولتے مگر حضرت شبلی نے شیخ و مرشد کے زمانے ہی سے اپنے خیالات و جذبات کو سلامیہ ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بعد تو تصوف کو اس قدر ترقی دی اور اُس کے مسائلِ مخفیہ کی اس قدر اشاعت کی کہ زمانے میں ہر طبقتِ لوگ اس متبرک فن کے معترف ہونے لگے۔ اور آپ کی ولیہانہ کوشش نے ہر جگہ یہ سیوہ یا سب حقیقت پیدا کر دی کہ سارے ممالکِ اسلام میں وحدت کے خیمے بن گئے۔ اور حجابِ ویکھے اسی روحانی شراب کا جامِ چل رہا تھا۔

چنانچہ بعض متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصولِ تصوف کو پہلے حضرت ذوالنون مصری نے بیان کیا جو امام دارالہجرت حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔ پھر حضرت جنید بغدادی نے اُنھیں ترقی دی۔ اور اُن کو رتوں و منصب دیا۔ اور ممبرِ بیٹھ کے اُن کی تبلیغ میں علامیہ آواز حضرت شیخ

ابو بکر شبلی نے بلند کی :-

آپ کی یہی خیر و برکت تھی جو روز بروز آپ کی مقبولیت اور قد و منزلت کو بڑھاتی ہی رہی۔ چنانچہ لوگوں میں علی العموم مشہور تھا کہ شہر بغداد میں (جو ان دنوں دنیائے اسلام کا قلب تھا) بجاۓ تصوف تین عجائبات ہیں۔ (۱) اشارۃ یعنی رموز کے بتانے میں شبلی۔ (۲) مکاشفات میں مرتعش۔ (۳) حکایات میں جعفر خلدی :-

یہ دونوں بزرگ جو حضرت شبلی کے ساتھ عجائبات بغداد بتائے گئے ہیں خود بھی حضرت شبلی کے کمال کے معترف تھے۔ شیخ شبلی کا نعرہ مستانہ جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے مشہور تھا۔ اور یہ دونوں حضرات مرتعش اور خلدی نعرہ شبلی کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ اور آپ کی تعریف میں طب اللسان رہتے۔

چنانچہ مرتعش کا یہ قول تھا کہ عجائب بغداد تین ہیں (۱) نعرہ شبلی۔ (۲) نکتہ مرتعش۔ یعنی خود میرے نکات و رموز۔ (۳) حکایات خلدی۔ اور خلدی بھی اُن کے اس دعوے کی تائید میں فرماتے۔ اور اپنے وسیع تجربے کو پیش کر کے کہتے کہ ”میں نے دو ہزار شاخ دیکھے ہیں۔ مگر عراق میں تین عجائبات جمع نظر آئے (۱) نعرہ شبلی۔ (۲) نکتہ مرتعش۔ اور (۳) حکایات میری :-

ان دونوں بزرگوں نے اگرچہ حضرت شبلی کے نعرہ مستانہ کو عجائبات بغداد و عراق میں بتایا ہے اور اس عام شہرت کی طرف نہیں توجہ کی کہ ابو بکر شبلی کے

اشارات معنی آپ کی رمز مہمی سب سے زیادہ عجیب چیز تھی۔ اُن کا نعرہ شعل کا
 معترف ہونا بجا ہو۔ کیونکہ یہ پُرجوش و پُرشور نعرہ اُن کے کانوں میں گونج رہا ہوگا
 مگر آیات قرآنی کے معانی بتانے اور دیگر امور میں آپ جس ذہانت و طباعی
 سے غور کر کے نکات و حقائق کا یہ نگار کرتے تھے وہ دین میں آپ ہی کا حصہ نظر آتا ہو۔
 وصال پر شاعر نے وصیت ہونے کی وجہ سے آپ کے دیگر کمالات جذب
 و جوش کے دامن میں اس قدر چھپ گئے تھے کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر
 بعض مفسرین نے اُن پر نظر نہ پڑی۔ اور واقعی آپ کا جوش و خروش غیر معمولی
 اور ناممکن نہ تھا۔ دنیا کی ہر بات سے عبرت حاصل کرتے۔ اور عبرت کے
 ساتھ ہی یہ جوش پیرا ہوتا کہ اُس کے اظہار کے وقت لوگوں کو بھی از خود رفتہ
 اکوڑنے اور خود بھی بہوش ہو کے گر پڑتے۔

چنانچہ آپ کے بعد شیخ خرقانی جو ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے صاحب کشف و صوفی
 تھے اکثر کہا کرتے "ابو بکر شبلی ہی تھے جو مست بیسے اور مست مرے۔ اس لیے
 کہ میں نے عام مکاتفہ میں اُنھیں اس وضع میں دیکھا کہ میرے سامنے ہوا میں
 رقص کر رہے ہیں۔"

انھیں امور نے آپ کے بعد لوگوں کا عام خیال آپ کی طرف اس قدر
 رجوع کر دیا تھا کہ بعض لوگوں میں آپ کے حالات کی جستجو کا تو غل بے انتہا بڑھ گیا
 تھا۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات پوچھیں علماء سے غفلت کے حالات
 دریافت کرتے۔ چنانچہ شیخ ابوسعید ابوالخیر ابو الحسن ثمالی سے ملنے کو آئے تو بجائے

اس کے کہ کوئی حدیث یا حضرت رسالت صلعم کا کچھ قسم حال پوچھیں کہنے لگے تھے
 شیخ شبلی کو دیکھا ہے۔ اُن کا کوئی واقعہ بیان کیجیے۔ ابو الحسن ثمالی نے کہا "شبلی کے
 حالات پوچھتے ہو اور رسول مقبول صلعم کے حالات نہیں پوچھتے؟" ابو سعید نے کہا
 "رسول اللہ صلعم کا بھی کوئی واقعہ فرمائیے" تب اُنھوں نے پہلے ایک حدیث نبوی
 بیان کی اور اس کے بعد شبلی کا وہ واقعہ بیان کیا جس میں ایک شخص نے "وصل"
 کے متعلق سوال کیا تھا۔ اور شبلی کو جواب میں پُر اثر تقریر کرتے کرتے اس قدر جوش
 آیا کہ ہیوش ہو کے گر پڑے۔

یہ تو آپ کے بعد کا قریب تر زمانہ تھا۔ جب تک کہ آپ کے دیکھنے والے موجود
 تھے۔ لیکن اُس کے بعد روز بروز لوگوں کے دلوں میں آپ کی عقیدت بڑھتی ہی
 گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ معرفت و حقیقت کے متعلق جو کتاب لکھی جاتی اُس میں آپ کے
 اقوال و حکم سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔ اور آپ کا نام اُسکی مقبولیت کا ایک بڑا
 عنصر ہوتا۔ اور پھر اس کے بعد فارسی اور عربی کی لوبی کتابوں میں بھی آپ کے
 اخلاق و عادات اور آپ کے حکایات سے فائدہ اُٹھایا جانے لگا۔

چنانچہ بوستان میں آپ کا کمال و برج ظاہر کرنے والی ایک چھوٹی سی حکایت
 جو شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے تحریر فرمائی ہو اُسے ہم اس سے پیشتر نقل
 کر چکے ہیں۔ اس موقع پر ایک اور حکایت نقل کیے دیتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

عہ نفاذات الانس۔ ۲۹۳ و ۲۹۴۔ عہ حکایت سفرون میں درج کرنے کے قابل تھی مگر جاری نظر اس پر اس وقت
 پڑی جبکہ اس کتاب کا غالب حصہ مرتب ہو کے طبع ہو چکا تھا۔ اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم ناظرین کو اس
 محروم رکھیں۔ لہذا یہیں درج کیے دیتے ہیں۔ اور دوسرے ایڈیشن میں سفرون کے سلسلہ میں داخل کر دی جائے گی۔

مولانا جیونی نے گلستانِ سعدی سے نہ ایک اخلاقی کتاب لکھی
 جس کا نام گلستان رکھا ہو۔ اس میں مولانا نے ہر ایک حکایت میں خود کو
 ابو کثیر کی زبان سے اُن کے ایک اور کا حال بیان کرتے ہیں۔ اور حکایت یہ
 ہے کہ شیخ شبلی کہتے ہیں ایک دن میں بارودا حج گھر سے نکل کے بغداد کے بازار
 میں آیا۔ وہاں ایک خوبصورت جوان۔ تاکو کھا کھانچو خلعت پہنے اور زر کا
 ہوا پہنہ اور اس کے ہاتھوں کی طرح ناز و انداز سے چار ہا ہے۔ اور ایک سیلک
 ہاتھ میں ہے۔ دوسرے دن جب قافلہ روانہ ہوا تو بچے وہی جوان رعنا قافلہ
 میں نظر آیا۔ اور اس شان سے کہ جوتیوں میں جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ یہ
 دستار سر پہ ہے اور گلاب میں بیا ہوا ہے۔ گویا گلگشت چین یا سربازار کے یہ
 منزل عیش سے نکل کے باہر آیا ہے۔ میں نے دل میں کہا اس نو جوان کے شہنشاہ
 کوئی راز کی بات ضرور ہے۔ ورنہ تو اس سے خالی نہیں۔ یا تو کوئی شہنشاہ ہے
 جسے لوگ ناز و داری کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ یا کوئی عاشق ہے جو اپنے پیار سے
 کامیاب ہو کے ناز و فری کے مہر کو پہنچ گیا۔ یا بے یہ غرورانی کہ میں کو جاتا
 ہے۔ یا اور کہیں جائے گا۔ آخر نہرا گیا۔ اور میں نے اُس کے پاس جا کے
 پوچھا میں صاحبِ ہزار ہے۔ تم کہاں جاؤ گے؟ بولا ”گو کو“ میں نے کہا ”تم گھر
 بولا جس پر آشوب گھر نے ایک خلعت کو آوارہ کر رکھا ہے اسی کی زیارت کو
 میں بھی جاتا ہوں کہ دیکھوں یہ آوارہ گرد لوگ کس کے پاس جاتے ہیں۔
 اس گھر میں ہمارے کسے دیکھیں گے؟ اور کیا فائدہ اٹھائیں گے؟ میں نے کہا
 ”اگر یہ بھی کوئی سامان سفر ہے جسے تم ساتھ لے کے چلے ہو؟ شاید یہیں اس صحرا

کی دشواریاں نہیں معلوم؟" سُن کے اُس نے یہ شعر پڑھا۔

"دوست آوارگی بھی خواہد رفتن حج بہانہ افتادست"

میں نے کہا اے ناز پروردہ نوجوان اس تن پروری سے کام نہیں

چلے گا۔" بولا۔

"میں نہ باختیار خودے روم از قلعے او آن دو کمان عنبرین سے بزم کُشان کُشان

لے شلی میرا تو اسی وضع میں نشوونما ہوا ہے۔ اس لیے میری اس فروگزاشت

کو معاف کرو۔"

میں نے پوچھا اچھا سیب کیون سو گھر رہے ہو؟" بولا تاکہ بلاخیر صبح کی خوشخوار

بادِ موم سے نجات اور فرحت حاصل ہو۔ اس لیے کہ میں پھولوں کی خوشبو کا عادی

ہو رہا ہوں گود لبرون کے ساتھ رہا ہوں۔ اور دل کی کلی کھلتی رہی ہے۔" میں نے

کہا "اچھا آؤ ہم تم اس سفر میں ساتھ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہیں۔" بولا

"خدا کی قسم یہ نہ ہو گا۔ تم خرقة پوش میں حُجّہ نوش۔ میں خراباقتی تم مناجاتی کل

بھی جامِ مے گلگون اُڑا چکا ہوں۔ اور اس وقت تک خار کا اثر باقی ہے۔ بھلا

میرا تمہارا نباہ کیونکر ہو گا۔ یہ عذابِ سن کے میں اُس سے مجدا ہو گیا۔ اور پھر آتے

بھر اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بیانِ تک کہ قافلہ مکہ معظمہ میں پہنچا۔ وہاں

ایک دن جبکہ بڑی سخت گرمی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نوجوان میزابِ زکّیہ شریف

(کے پرناے) کے نیچے پڑا ہوا ہے چہرہ زرد اور مُر جھپایا ہوا۔ ناتوان اور بیمار۔ نہ وہ

کپڑے پہن۔ نہ وہ دُستار ہے۔ نہ وہ جوتیاں پہن۔ مگر وہی سیبِ ہاتھ میں ہے۔

جسے ناک کے پاس لیجا کے سو گھٹتا اور یہ شعر پڑھتا ہے۔

[illegible]

میں مجھے ایک دلچسپی ہے اور اس فکر میں مزہ ملنے لگا ہے جب اُس نے یہ کہا تو میں اُسے چھوڑ کے چلا آیا۔ اس کے بعد رات بھر میں مسجد حرام کے اطراف و جوانب میں مصروف عبادت ذکر رہا صبح کو جب خانہ کعبہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ لوگ اُس شکستہ خاطر جوان کی لاش کو حطیم کے پاس سے اٹھا کے دفن کرنے کے لیے کندھوں پر لیے جاتے ہیں۔ ایک محرم راز حقیقت سے اُس کی حالت پوچھی تو اُس نے یہ شعر پڑھا۔

عاشقان کشتگان مشوقند رنیا یہ ز کشتگان آواز

اگلے تصانیف ہی پر موقوف نہیں۔ آج تک جو کتابیں تصوف اور روحانی اخلاق میں لکھی جاتی ہیں ان میں حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے اقوال و افعال سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اٹھایا جاتا ہے۔

حکم

آپ کے حکم و لطافت دریا نے معرفت کے وہ موتی ہیں جو بہت گہرا غوطہ لگا کے نکالے گئے ہیں۔ ان سے ایک طرف تو آپ کے غرق توحید اور شاد دریا نے حقیقت ہونے کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آیات و احادیث وغیرہ میں آپ اپنی ذہانت و طباعتی سے کیسے اچھے معنی نکال لیا کرتے تھے جو ظاہری معنوں سے الگ اور اہل تصوف کے روحانی مذاق کے موافق ہوتے۔

شیخ الطائیفی الدین، مہر و دیگر متاخرین نے اس کی تائید کی ہے۔
 اور عین اور تہذیب کی اس درجہ کا کمال دکھا دیا۔ یہ ہے کہ اس مذاق
 انیسویں صدی کے مشین و مہر چری اور دیگر فن میں تمام ہوا اور ان کے
 اپنے اپنے بنی کی کمال چلی تھی۔ یہ ہذا کی یہ کہ ان کے ہاں جو زبان بنا
 کہتے ہیں اس میں ان کے ہاں سے جو کچھ آتا ہے اور ان کے ہاں سے جو کچھ آتا ہے
 اس کے ذریعہ اس کی آواز ہی ہے اور اس کی۔

۳۔ اور جو ان کے پاس سے پائین کر لے کر آتا ہے ان کی نگاہ کرنا یہ ہے کہ
 وہ محب اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے
 ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔

۴۔ اس کے ساتھ اس کا نام ہے کہ یہ وہ ہے کہ اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے
 ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔
 ۵۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔
 ۶۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔

۷۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔
 ۸۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔
 ۹۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔
 ۱۰۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔

۱۱۔ اور اس کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے اور ان کے ہاں سے آتا ہے۔

(۱۱) جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود بلا پر عذاب کرے تو اسے عار و کجی دل میں لاتا ہے۔

(۱۲) کسی نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ کیونکہ پہچانتا تو پھر غیر میں نہ مشغول ہوتا۔

(۱۳) علم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے اپنے نفس کو تائید کر کے پہچانے۔

(۱۴) عبارت کی علم زبان ہو۔ اور اشارت معرفت کی زبان۔

(۱۵) ہمت صرف خدا کا طلب کرنا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے ہمت نہیں۔

(۱۶) صاحب ہمت کسی چیز پر اہل نہیں ہوتا۔ مگر صاحب ارادہ ہمت اہل ہوتا ہے۔

(۱۷) جمعیت کلی کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور وہ وحدانیت کی ایک صفت ہے۔

(۱۸) مذکور کے مشاہدے کے وقت ذکر کو بھول جانا افضل ترین ذکر ہے۔

(۱۹) حق تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا بغیر کلمہ و کلام کے ہے۔

(۲۰) صابراہل درگاہ سے ہے۔ راضی اہل پیشگاہ سے ہے۔ اور مقوض (اپنے آپ کو)

خدا پر چھوڑ دینے والا) اہل بریت سے ہے۔

(۲۱) صادق کی علامت یہ ہے کہ حرام کو منہ سے الگ پھینکے۔

(۲۲) اُنس یہ ہے کہ بندے کو اپنے سے وحشت ہو۔

(۲۳) جو ذکر سے اُنس رکھتا ہے وہ اُس کے برابر کب ہو سکتا ہے جو خود مذکور سے اُنس رکھتا ہے۔

(۲۴) ہر ہمت کے نیچے تین مکرہ ہیں۔ اور ہر عبادت کے نیچے چھ مکر۔

(۲۵) قرب کی علامت ماموای اللہ سے قطع کرنا ہے۔

(۲۶) جو المردی یہ ہے کہ خلقت کی مصلحت کو تو اپنی مصلحت کے مثل بلکہ اُس سے بڑھ کر دیکھے۔

(۲۷) بندہ جو مانس اپنے مالک حضرت جل جلالہ کی موافقت میں لیتا ہے وہ تمام

عابدوں کی قیامت تک کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲۸) یہ مگر ہی نہیں تھا۔ سو یہ زور دہ مگر ہی (مگر وہاں) نہ تھا۔ اور یہ (۱۰۰) الیہ
 کہ ہنسیت تیرے پہلے ثابت ہے۔ یعنی عالم اردو میں ماضی و مستقبل یکساں
 ہیں۔ اوشیار کہتے کوئی ہمارے شے دھوکا دیتا ہے۔
 (۲۹) الیہ صفت کے یہ لگا مگر ہی کی شکل ہی شکر ہے۔
 (۳۰) جس طرح خلق کا جو بہت تھا اسی سے مجاہد ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا
 مجاہد خلق سے مجاہد ہیں۔
 (۳۱) ایک بار وہ بہت جیس کے اور وہ عقد کی سمجھ دن میں عاوتہ کے طریقے پہنچ
 ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے اسے رقم کے طریقے۔ ۷۰۰ لیکن مگر ہی
 بیٹھنے اور رہنے سے وہ ہوا بنا کہ کسی چیز کے مستحق نہیں۔
 (۳۲) اور یہ بزرگاری آہ۔ کہ کل ماسوی اللہ سے تو بزرگ رہا۔

خاتمہ

ایسے بالکمال اور ایسے غریق دریا سے معرفت تھے حضرت شیخ ابو بکر بن محمد
 اور انہوں نے کہ ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ ایسی جی نہیں بھرا۔ جی چاہتا ہے کہ
 یہی ذکر ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ بڑا قائم رہا ہے۔ کیونکہ شلی کو حضرت ربہ الامرت
 کے ذکر میں جو ذوق و شوق تھا اس نے خدان کے تذکرہ میں بھی ایک سرفرا
 پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی مزہ ہے جس نے اس محترم نام کو دنیا سے اسلام میں
 ہر عزیز بنا دیا۔ اور یہی ہے کہ قیامت تک یہ نام یونہی ہر دہا رہے گا۔
 ختم تذکرہ اولیاء۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔

خاتمہ سابع

”سلسلہ مشاہیر اسلام“ کا یہ دوسرا نمبر معزز و محترم اور صاحبِ وقفاظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کہ آپ ولائین۔ ایک حضرت جنید بغدادی کی اور ایک حضرت ابو بکر شبلی کی شائع ہو گئیں۔ جو بہت تنقید و تحقیق اور عرق ریزی و جفاکشی سے مرتب کی گئی ہیں جنید بغدادی کے سوانح عمری کو اعلیٰ دانے طبقہ کے لوگوں نے پسند کیا اور بڑی خوشی کی یہ بات ہو کہ پرنسپل کے لوگوں کو خلعت قبولیت عطا فرمایا ہی ہو خیال الون اور مٹی تعلیم پائے ہو و جو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے تیار تھا کہ اب بھی تم کو کسی پرانے صوفی صافی مشرب کے حالات کی طرف توجہ کریں مگر جناب شاہ اہل سنت و جماعت سیدنا امام ربیع کے اصرار اور بہت دیگر حضرات کی تاکید سے ہم نے جو یہ سوانح مکمل کے علمائے اہل سنت و جماعت کے ابو الحسن اشعری کی لافٹ مرتب کرنا شروع کر دی ہے۔ دینی اس لافٹ کی یہ انتہا ضروری تھی کہ جو ساری غلط فہمیاں اہل سنت جتنی ہوں یا مٹا دیں یا کسی اصول و عقائد میں سب حضرت ابو الحسن اشعری کے پیروں کے پیروں سے مل جائیں۔ کی ہو کسی سے نہ ہو کسی تھی جب فلسفہ یونان کا اسلام کے علمائے اہل سنت و جماعت نے مٹا دیا ہے۔ بنیں پڑا تھا۔ اور عوام صراطِ مستقیم سے ہٹکے جاتے تھے اس وقت ابو الحسن اشعری کے اچھے اور تمام مخالفین کو پال کر کے ملت بیٹھا کر سب غالب کیا۔ خلاصہ یہ کہ جیسی فتح اسلام کو دیگر یونان کے علمائے اہل سنت و جماعت کے ہاتھوں تو کرا سوا چل ہوئی تھی جیسی ہی فتح فلسفہ یونان اور بدعتیہ کی کے مقابلہ میں اسلام کو ابو الحسن اشعری کے ہاتھوں قلم سوا چل ہوئی۔ لافٹ اسید ہو کہ حیدر مرتب کیے شائع ہو جائے۔ مگر اس کا نتیجہ اس سے بڑھا نظر آتا ہے۔ لہذا ہم ابھی نہیں تاسکتے کہ کئی قیمت کیا ہوگی۔ تیار ہونے ہی حسبِ عہد اجازت ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کاڈ بھیج کے تمام خریداران جنید و شبلی کی خدمت میں مٹی۔ پی بھیجی جائے گی۔ خاکسار۔ منیر د لگداز۔

